# مجلس ادارت



# معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۲۰/روپے　فی شمارہ ۱۲/روپے
پاکستان میں سالانہ ۳۰۰/روپے
دیگر ممالک میں سالانہ　ہوائی ڈاک پچیس پونڈ یا چالیس ڈالر
بحری ڈاک نو پونڈ یا چودہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحیٰی، شیر ستان بلڈنگ
بالمقابل ایس ایم کالج اسٹریچن روڈ، کراچی۔

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۲۰ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع اسی ماہ کی آخری تاریخ تک دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

☆ کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۷۴　ماہ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ مطابق ماہ اگست ۲۰۰۴ء　عدد ۲

فہرست مضامین



## مقالات



## معارف کی ڈاک



## ادبیات



ای میل : email: shibli academy @rediffmail. com

# شذرات

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز جوڑے جوڑے بنائی ہے، وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (ذاریات)، انسان کو بھی اس نے جوڑے جوڑے پیدا کیا ہے، وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا (نباء) تا کہ اسے طمانیت وسکینت میسر آئے اور میاں بیوی میں گہری وابستگی ہو، حقیقت یہ ہے کہ جوڑے کا ایک ہی فرد تنہا اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا نہیں کرسکتا بلکہ دونوں مل کر ایک دوسرے کے نقص اور کمی کی تلافی کرتے ہیں اور سکون وراحت پاتے اور اپنے برتر مقصد وغایت کی تکمیل کرتے ہیں وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم) اضداد کے اندر اس قدر توافق اور سازگاری کو قرآن مجید نے توحید وآخرت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اسلام نے عقدِ نکاح کی تاکید واہمیت کے ساتھ زوجین کے ایک دوسرے پر حقوق اور باہمی معاشرت کے آداب بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں تا کہ ان کا پاکیزہ رشتہ برقرار رہے لیکن اگر کسی مجبوری کے باعث اس کے ٹوٹنے کی نوبت آجائے اور یہ مبغوض اور ناپسندیدہ کام کرنا ہی پڑے تو اس کی صحیح شکل قرآن مجید نے یہ بتائی ہے کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (بقرہ) اور مطلقات کے بارے میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (بقرہ) جس کی مزید تشریح رسول اکرم ﷺ کے ارشادات اور طریقہ عمل نے کردی ہے، اس کے بعد کسی مسلمان کو اس سے انحراف کرنا اور غصے اور عجلت میں اس کے خلاف کرنا روا نہیں ہے۔

---

لیکن عموماً مسلمان غیظ وغضب میں اس قرآنی تعلیم وہدایت کی پروا نہیں کرتے اور ایک ہی سانس اور جھٹکے میں تین اور تین سے زیادہ بار طلاق دے دیتے اور آناً فاناً یہ مقدس رشتہ توڑ تاڑ کے رکھ دیتے ہیں اور بعد میں بہت پچھتاتے ہیں، حال میں مسلم پرسنل لا بورڈ نے اعلان کیا تھا کہ وہ ناواقفیت کی بنا پر طلاق کے غلط استعمال کی روک تھام کے لیے مسلم معاشرے میں اصلاح کی تحریک چلائے گا اور طلاق کے صحیح اور مسنون طریقے سے آگاہ کرے گا، قومی پریس کو مسلمانوں کی خبریں مسخ کرکے اور غلط رنگ میں پیش کرنے سے بڑی دل چسپی ہے، وہ بورڈ کی تردید ووضاحت کے



باوجود یہی پروپگنڈا کرتا رہا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے تین طلاقوں کو ختم کردیا، اکثریت کا ایک طبقہ جس میں میڈیا والے بھی شریک ہیں، ملک میں یکساں سول کوڈ بلکہ ہندو سول کوڈ مسلمانوں پر تھوپنا چاہتا ہے اور اس کے لیے اسی طرح کے موقعوں کا منتظر رہتا ہے، قدرے اختلافی مسئلہ ہونے کی بنا پر مسلمانوں کے بعض گروہوں نے اسے اپنے مسلک کی مخالفت سمجھ لیا حالاں کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک یا تین طلاق قرار دینا بورڈ کا منشا نہ تھا بلکہ حکمت دین اور روح شریعت کے منافی طریقہ طلاق کی اصلاح اور لوگوں کو تلعب بالدین سے بچانا مقصود تھا تاہم مسلمانوں کے مشترکہ پلیٹ فارم ہونے کی بنا پر بورڈ کو ان نزاکتوں کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ آبگینوں کو ٹھیس نہ لگے۔

---

۱۹۹۲ء میں گہری اور منظم سازش کے تحت بابری مسجد گرائی گئی تھی، پہلے رتھ یاترا کرکے ملک کی فضا مسموم اور گرم کی گئی اور فرقہ وارانہ جنون اور تشدد کی آگ بھڑکائی گئی، بی جے پی کے سرکردہ رہنما دنگا فساد پر آمادہ بلوائیوں کی ہمت افزائی کرنے، ان کو شاباشی دینے اور انہدام کا تماشا دیکھنے اجودھیا پہنچے، اس وقت عدل وانصاف پسند لوگوں نے محسوس کیا کہ ملک سے قانون کی حکمرانی ختم ہوگئی ہے اور شرپسندوں اور بلوائیوں کے ہاتھوں میں اس کی باگ ڈور چلی گئی ہے، بعد میں مقدمات قایم ہوئے جس کا رنگ ڈھنگ سب کے سامنے ہے، اصل ملزموں کا نام نکالنے کے لیے کیا کیا جعل وفریب نہیں کیے گئے، افسوس اس کا ہے کہ چند روزہ اقتدار کے لیے بعض سیکولر لیڈروں نے بھی ملزموں کو بچانے اور ان کا نام نکالنے میں معاونت کی، یہ عذر لنگ بھی کیا کہ ملزم لیڈر انہدام کی کاروائی روکنے کے لیے گئے تھے مگر مشتعل مجمع ان کے قابو سے باہر تھا، ادھر اٹل بہاری واجپئی کو وزارت سازی کا موقع ملا تو ان کا دریائے کرم ٹھاٹھیں مارنے لگا، انہوں نے امن وقانون شکنی کرنے، نفرت اور فرقہ پرستی کا زہر گھولنے اور ساری دنیا میں ملک کو ذلیل ورسوا کرنے والوں کو من مانی کرنے کے لیے اہم ترین وزارتیں بخش دیں اور اب گلا پھاڑ پھاڑ کر خود اور اپنی بے اصول پارٹی سے مطالبہ کرا رہے ہیں کہ یوپی اے حکومت داغی وزرا کو نکال دے، آخر یہ دوہرا معیار کیوں؟۔

---

بی جے پی نے جعل وفریب کو اپنا وطیرہ اور جھوٹی اور متضاد باتیں کہنے کو اپنا شیوہ بنالیا ہے، اسے اپنے غلط کرتوتوں اور جرایم کو دوسروں کے سرتھوپ دینے میں بھی بڑی مہارت حاصل ہے، اس نے بابری مسجد خود گرائی اور اس پر اس کے لیڈروں نے فخر بھی کیا اور اب عجیب الٹی سیدھی باتیں

کرر ہے ہیں، گجرات کے فسادات اور وہاں ہونے والی درندگی اور بربریت کو گودھرا واقعہ کا ردعمل بتا کر اس کی سنگینی کو کم کیا، اٹل بہاری واجپئی مسلسل یہی راگ الاپتے رہے کہ مسلمانوں نے گودھرا میں ریل کے ڈبے میں آگ لگا کر کارسیوکوں کو نہ جلایا ہوتا تو گجرات میں فساد نہ ہوتا حالاں کہ اسی زمانے میں کہا جارہا تھا کہ بی جے پی نے سوچی سمجھی سازش کے تحت گجرات میں فساد کرانے کے لیے گودھرا میں ٹرین کے اندر آگ لگوائی تھی، پھر احمد آباد فورنسک لیباریٹری نے ۱۷/ اپریل ۲۰۰۲ء کو اپنی رپورٹ میں بی جے پی کا پول کھول دیا لیکن اس کے باوجود بی جے پی اور اس زمانے کے ریلوے وزیر چپ سادھے رہے اور ردعمل کی رٹ لگانا نہ بھولے، نئے ریلوے وزیر ہر محب وطن اور امن و انصاف پسند شہری کے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے یہ رپورٹ پارلیمنٹ میں رکھ دی اور پورے واقعہ کی انکوائری کا حکم دے دیا، اب بی جے پی جو چاہے اول فول بکے، گودھرا واقعہ بھی اسی کی کارستانی ہے، اگر وہ سچی ہے تو انکوائری سے خائف کیوں ہے؟ حقائق کو سامنے لانے کے لیے یوپی اے حکومت، کمیونسٹ اور تمام سیکولر جماعتوں کو نیک نیتی سے مسٹر لالو پرشاد یادو کا تعاون کرنا چاہیے۔

''دارالمصنفین کی تاریخ اور علمی خدمات'' کے نام سے جو کتاب چھپ رہی تھی، الحمدللہ اس کی دونوں جلدیں چھپ گئی ہیں، پہلی جلد میں دارالمصنفین کے قیام اور مختلف مراحل کی سرگزشت اور موجودہ نوعیت، اس سے وابستہ اہم اشخاص، رفقاء مصنفین کے مختصر حالات اور اس کی علمی تصانیف پر مبسوط تبصرہ کیا گیا ہے، دوسری جلد میں علمی تصانیف کے تعارف کا بقیہ حصہ اور اردو و فارسی ادب سے متعلق بلند پایہ کتابوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے، اسی حصے میں ۱۹۱۶ء سے مسلسل شائع ہونے والے مجلس دارالمصنفین کے ماہوار علمی رسالہ معارف کا جائزہ لے کر اس کے امتیازات دکھائے گئے ہیں، ایک باب میں کتب خانہ دارالمصنفین کی اہمیت و خصوصیت، اس کے نوادر اور اہم مخطوطات کا تعارف کرایا ہے، آخری باب میں دارالمصنفین کے اسلوب و انداز بیان کی خوبیوں اور طرز فکر پر بحث و گفتگو کی ہے اور اردو زبان و ادب اور قوم و ملک پر دارالمصنفین کے اثرات دکھائے ہیں اور آیندہ اسے مزید بامعنی بنانے کی صورتیں بتائی ہیں، الحمدللہ کہ دونوں جلدوں کی اشاعت سے ایک مفید سلسلہ مکمل ہوگیا اور دارالمصنفین کے قدردانوں کی ایک دیرینہ خواہش پوری ہوگئی۔

☆☆☆



# مقالات

## قرآن مجید کی قسمیں

از:- ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمسی ☆

(۲)

۱۱- سورۃ الواقعہ (مکی) کے تعارف میں پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

''آخری رکوع میں قرآن کریم کی حقانیت اور کلام الٰہی ہونے کے دلایل پیش کیے گئے ہیں، ''مواقع النجوم'' کی قسم اٹھا کر سامعین کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ جس بے نظیر نظام، بے مثال باقاعدگی اور ہم رنگی کا مشاہدہ تم کواکب کی دنیا میں کررہے ہو اسی طرح کا بے عدیل نظم و نسق اور ہر آیت کی دوسری آیت سے وابستگی تمہیں قرآن حکیم میں بھی نظر آئے گی لیکن اس کے معانی اور معارف تک رسائی ہر شخص کا نصیبہ نہیں، وہ لوگ جن کا دل پاک، نگاہ پاک اور نیت پاک ہوتی ہے، عروس معنی فقط ان کے لیے اپنے رخ زیبا سے نقاب سرکاتی ہے، بجائے اس کے کہ تم اس چشمۂ شیریں سے سیراب ہوتے، اپنی پیاس بجھاتے اپنے نخلستان حیات کی آبیاری کرتے، تم نے اسے جھٹلانا شروع کردیا''۔ (ضیاء القرآن ج ۵، ص ۸۵)

''پھر جس طرح خدا کے باندھے ہوئے عالم بالا کا نظم اٹل ہے جس میں کبھی ذرہ برابر فرق واقع نہیں ہوتا اسی طرح کتاب میں بھی جو حقایق بیان کیے گئے ہیں اور جو ہدایات دی گئی ہیں وہ بھی اٹل ہیں ان کا ایک شوشا بھی اپنی جگہ سے ہلایا نہیں جاسکتا''۔(۱)

۱۲- سورۃ القلم (مکی) میں قسم کے حوالہ سے ابن قیم کی تحقیقات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''قلم و کتاب کی قسم اس اعتراض پر کھائی گئی ہے جو کفار کرتے تھے کہ (نعوذ باللہ) آپ مجنوں ہیں، یہ مسطور و مکتوب کتاب جو انواع و اقسام کے علوم پر مشتمل ہے وہ ایسے ہی شخص پر نازل ہوسکتی ہے

☆ شعبۂ اسلامیات گورنمنٹ کالج لاہور، پاکستان۔

جواس عیب سے پاک ومنزہ ہو جو دشمن لگا رہے ہیں، اگر سب اہل عقل اکٹھے ہو جائیں اور قرآن جیسی کتاب لکھنا چاہیں تو یہ امر محال ہے اور یہ علوم اس انسان کامل سے صادر ہو رہے ہیں جو ''امی'' ہے لہٰذا کفار کا آپ کو مجنون کہنا بہتان و تہمت ہی ہے۔

جب کوئی ایک قصیدہ لکھتا ہے تو آج تک اس وجہ سے کسی نے اس کو مجنون نہ کہا کہ ایسا قصیدہ جس کا معارضہ بھی ممکن ہے، اہل عقل ہی میں سے کوئی لکھ سکتا ہے تو وہ کتاب جس کا اعلان ہے کہ اس کی مثال آیت ہی بنا لاؤ اور کوئی نہ بنا سکا، ایسی کتاب لانے والے کو مجنوں کہا جاسکتا ہے؟''۔(۲)

''اس مقام پر یہ بات نگاہ میں رہنی چاہیے کہ یہاں خطاب تو بہ ظاہر نبی ﷺ سے ہے لیکن اصل مقصود کفار کو ان کی تہمت کا جواب دینا ہے، لہٰذا کسی شخص کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ آیت حضور ﷺ کو یہ اطمینان دلانے کے لیے نازل ہوئی کہ آپ مجنوں نہیں ہیں، ظاہر ہے کہ حضور کو اپنے متعلق تو ایسا شبہ نہ تھا کہ اسے دور کرنے کے لیے آپ کو یہ اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی، مدعا کفار سے یہ کہنا ہے کہ تم جس قرآن کی وجہ سے اس کے پیش کرنے والے کو مجنوں کہہ رہے ہو وہی تمہارے اس الزام کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے''۔(۳)

پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

''خود سوچو جس کا خلق عظیم ہو، جس کا علم بیکراں ہو، جس کا گلشن حکمت سدا بہار ہو، جس کی برکات بے شمار اور خوبیاں ان گنت ہوں، جس کی فصاحت و بلاغت کا دنیا میں کہیں جواب ہی نہ ہو، کیا اس کو مجنوں کہنا روا ہے؟ جو اس مرقع زیبائی و دلبری کو مجنوں کہتا ہے اس سے بڑا دیوانہ، اس سے بڑا پاگل ہو ہی نہیں سکتا''۔(۴)

۱۳- سورۃ الحاقۃ (مکی) میں ہے کفار اس بات کا شدت سے انکار کیا کرتے کہ حضور ﷺ پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے بلکہ وہ بہ ضد تھے کہ حضور ﷺ خود گھڑ کر یا کسی سے سن کر ہمیں یہ کلام سناتے ہیں کیوں کہ اس کلام کی فصاحت و بلاغت کا انکار وہ بھی نہیں کر سکتے تھے، اس لیے کبھی آپ کو شاعر کہتے اور کبھی کاہن، ان کے ان الزامات کی تردید قسم کھا کر کی جارہی ہے، فرمایا جو چیزیں تم کو نظر آتی ہیں جن کا تم مشاہدہ کرتے ہو، (جیسے آپ کی اخلاقی حیثیت، کوئی ذاتی مفاد نہ ہونا، آپ پر ایمان لانے والوں کی زندگی میں انقلاب، قرآن کا شعر نہ ہونا، قرآن کی فصاحت و بلاغت وغیرہ



تفہیم القرآن جلد ۲، ص ۷۹-۸۰) اور جو چیزیں تمہیں نظر نہیں آتیں (جیسے اللہ ہی کائنات کا خالق، مالک اور فرماں روا ہے، قیامت، رسالت، قرآن منزل من اللہ وغیرہ، تفہیم القرآن) ان کی بھی قسم اٹھاتا ہوں یعنی ہر چیز کی قسم اٹھائی خواہ اس کا تعلق عالم شہادت سے ہو یا عالم غیب سے، یہ قول نہ کسی شاعر کا کلام ہے اور نہ کسی کاہن کا بلکہ ایک معزز و محترم رسول کا قول ہے، رسول کریم سے مراد حضور ﷺ کی ذات مقدسہ ہے یہاں نام نہیں لیا بلکہ وصف رسالت کو ذکر کیا تاکہ پتہ چل جائے کہ آپ کی حیثیت پیغام بر کی ہے اور ہر دیانت دار پیغام بر اور قاصد اپنی طرف سے گھڑ کر کوئی پیغام نہیں دیتا بلکہ جس نے اسے بھیجا ہے، ہو بہو اسی کا پیغام آکر سناتا ہے اس لیے تمہارا یہ اصرار کہ اپنی طرف سے سورتیں گھڑ کر لوگوں کو سناتے ہیں، بے جا تعصب اور ناروا ضد ہے۔(۵)

۱۴- سورۃ المعارج (مکی) میں ہے ان لوگوں کو شاید یہ غلط فہمی ہے کہ دنیا کی رونق اور آبادی ان کے دم قدم سے ہے اگر یہ نہ ہوں تو گلستان وجود اجڑ جائے، اس پر خزاں کا عالم طاری ہو جائے فرمایا کہ ہم اپنی ذات کی قسم کھاتے ہیں جو مشارق و مغارب کی پروردگار ہے کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ تمہیں تباہ و برباد کردیں اور تم سے کہیں زیادہ، بہتر کسی قوم کو تمہارا جانشین بنادیں جو تم سے زیادہ نیک بخت ہو علم اور عمل کی دولت سے مالا مال ہو، میری وحدانیت پر ایمان رکھتی ہو اور میرے رسول مکرم ﷺ سے دلی محبت رکھتی ہو، ان کے حسن عقیدہ اور خوبی عمل کی برکت سے ہر طرف بہار ہی بہار آجائے۔

ہم چوں کہ مشرقوں اور مغربوں کے مالک ہیں اس لیے پوری زمین ہمارے قبضہ قدرت میں ہے اور ہماری گرفت سے بچ نکلنا تمہارے بس میں نہیں ہے، ہم جب چاہیں ہلاک کرسکتے ہیں اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اٹھا سکتے ہیں جو تم سے بہتر ہو۔(۶)

۱۵- سورۃ المدثر (مکی) میں مخاطب جیسا کہ موقع محل سے واضح ہے مکذبین قیامت ہیں اور ان کا جو شبہ زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ قیامت آنی ہے تو آ کیوں نہیں جاتی، ان کے سامنے چاند کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے کہ جس طرح وہ درجہ بہ درجہ ہلال سے بدر کے مقام تک پہنچا ہے اسی طرح تم بھی مختلف اطوار و مراحل سے گزرتے ہوئے بالآخر ایک دن اس مقام تک پہنچو گے جہاں پہنچنے کی تمہیں خبر دی جارہی ہے اور اپنے رب کے عدل کامل کے ظہور کا مشاہدہ کروگے، جس طرح چاند کے سفر کے لیے منزلیں مقرر ہیں ان کو طے کیے بغیر اس کا ظہور کامل نہیں ہوتا، خواہ

اس کے لیے کوئی کتنی ہی جلد بازی کرے، اسی طرح اس روز جزا وسزا کے لیے بھی منزلیں مقرر ہیں جن سے گزرے بغیر اس کا ظہور نہیں ہوگا۔ (۷)

۱۶- سورۃ القیامۃ کے سلسلے میں مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''قسم سے پہلے جب اس طرح ''لا'' آیا کرتا ہے جس طرح یہاں ہے تو وہ قسم کی نفی کے لیے نہیں بلکہ مخاطب کے اس خیال کی نفی کے لیے آتا ہے جس کی تردید اس قسم سے مقصود ہوتی ہے، اسی طرح ہماری زبان میں بھی یہ اسلوب معروف ہے، آپ جس کسی شخص کی بات کی فوری تردید کرنی چاہتے ہیں تو کہتے ہیں نہیں خدا کی قسم، اصل حقیقت یوں ہے''۔ (تدبر قرآن جلد ۹، ص ۷۸)

حقیقت یہ ہے کہ معاد کے وجود کی ایک دلیل انسان کی روح کے اندر ''محکمہ وجدان'' کا وجود ہے، جو نیک کام کو انجام دینے کے وقت انسان کی روح کو خوشی اور نشاط سے پر کردیتا ہے اور اس طریقہ سے اسے جزا دیتا ہے اور برے کام کے انجام دینے یا کسی جرم کا ارتکاب کرنے کے موقع پر اس کی روح پر سخت دباؤ ڈال کر اسے سزا دیتا ہے اور شکنجہ میں جکڑتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات وجدان کے عذاب سے نجات پانے کے لیے انسان خودکشی تک کا اقدام کرلیتا ہے، یعنی حقیقت میں وجدان نے اس کو قتل کرنے کا حکم صادر کیا ہے اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے اجرا کرتا ہے، جب ''عالم صغیر'' یعنی انسان کا وجود اپنے اندر ایک چھوٹا سا محکمہ اور عدالت رکھتا ہے تو ''عالم کبیر'' اپنی اس عظمت کے باوجود ایک عظیم محکمہ عدل کیوں نہ رکھتا ہوگا۔ (تفسیر نمونہ جلد ۲۵، ص ۲۲۸-۲۲۹)

۱۷- سورۃ المرسلات میں قیامت کے واقع ہونے پر پانچ قسمیں کھائی گئی ہیں، بعض نے یہ پانچوں صفتیں ہواؤں کی قرار دی ہیں، صاحب ضیاء القرآن کی یہی رائے ہے، مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے عذاب اور قیامت کے مکذبین کو ہواؤں کے تصرفات کی طرف توجہ دلا کر متنبہ فرمایا ہے کہ اپنی قوت وسطوت پر زیادہ ناز نہ فرماؤ، اللہ عذاب لانا چاہے تو اسے بڑا اہتمام نہیں کرنا ہے جس ہوا کی لائی ہوئی بارش سے جیتے ہو اسی کے پیچ ذرا سے ڈھیلے چھوڑ دے تو چشم زدن میں تمہاری ہستی کا نام ہی مٹ جائے، اس دنیا میں کتنی قومیں گزری ہیں جن کو ہوا ہی نے خس و خاشاک کی طرح اڑا دیا''۔ (جلد ۹، ص ۱۴۴)



۱۸- سورۃ النازعات (مکی) کی ابتدا میں پانچ قسمیں کھائی گئی ہیں، جمہور مفسرین نے اس سے مراد فرشتے لیے ہیں، ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں: فرشتوں کی قسموں کی طرف اشارہ ہونے کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ خداوند عالم نے میدان محشر میں حاضری کے مضمون کو بیان اور ثابت کرنے کے لیے فرشتوں میں پہلے ان فرشتوں کی قسم کھائی جو کافروں کی روحوں کو سختی اور شدت سے جسم کی رگوں سے گھسیٹ کر نکال لیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ کافر کی نزع روح کی شدت ایسی ہوتی ہے جیسے بھیگی ہوئی روئی کے اجزا کو اپنے ساتھ لیے نکلے گی تو اسی طرح کافروں کی رگیں نزع روح سے متاثر ہوتی ہیں اور فرشتوں میں سے ان کو اس مقام پر مقدم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ کلام کے اصل مخاطب منکرین قیامت ہیں تو انہیں فرشتوں کی قسم مقدم فرمائی جو کافروں اور منکروں کی روح قبض کرنے والے ہیں، اس کے بالمقابل پھر ان فرشتوں کی بھی قسم کھائی جو مومن کی روح بڑی ہی سہولت سے نکال لیتے ہیں جیسے کہ پیشانی کے پسینہ کا قطرہ ٹپک جائے، پھر ان فرشتوں کی جو مومنین کے اعمال بارگاہ رب العزت میں لے جانے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں اور ان کی جو تکوینی نظام پر ہواؤں، بادلوں، غلوں کے اگانے اور احوال صحت ومرض اور عافیت وحوادث اور منافع ومضار جیسے امور کی تدبیر پر مامور ہیں تو ان جملہ انواع واقسام کے فرشتوں کی قسم کھا کر مخاطب کے سامنے اور اس کے ذہن میں ان جملہ احوال کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے پھر جب کہ مخاطب کا ذہن ان عظمتوں سے لبریز ہو چکا ہو تو پھر قیامت جیسے عظیم دن کے واقع ہونے کا بیان فرمایا گیا۔ (۸)

فرشتوں کی قسم کھانے کا سبب بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''یہاں وقوع قیامت اور حیات بعد الموت پر ان کے مذکورہ بالا اوصاف سے استدلال اس بنا پر کیا گیا ہے کہ جس خدا کے حکم سے فرشتے تمہاری جان نکالتے ہیں اسی کے حکم سے وہ دوبارہ جان ڈال بھی سکتے ہیں اور جس خدا کے حکم سے وہ کائنات کا انتظام چلا رہے ہیں اسی کے حکم سے جب بھی اس کا حکم ہو اس کائنات کو وہ درہم برہم بھی کرسکتے ہیں اور ایک دوسری دنیا بھی بنا سکتے ہیں، اس کے حکم کی تعمیل میں ان کی طرف سے ذرہ برابر بھی سستی یا لمحہ بھر کی تاخیر بھی نہیں ہوسکتی۔ (۹)

مولانا امین احسن اصلاحی کی تحقیق کے مطابق یہ ہواؤں کی قسم کھائی گئی ہے، وہ قسم کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''گویا تند اور نرم ہواؤں اور بادلوں کے عجایب تصرفات کو شہادت میں پیش کر کے قریش کے متمردین کو آگاہ فرمایا گیا کہ تمہیں جس عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے اس کو بعید از امکان نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ جب اس کو لانا چاہے گا تو اس کے لیے کوئی خاص اہتمام اس کو نہیں کرنا پڑے گا، اس کی ہواؤں اور اس کے بادلوں کے تصرفات کی جو تاریخ موجود ہے اور جو تمہیں سنائی بھی جا چکی ہے اگر اسی سے سبق حاصل کرو تو وہی تمہارے لیے کافی ہے تم سے کہیں زیادہ طاقت ور قومیں اس زمین پر بسی ہیں جن کو خدا نے اپنی ہواؤں ہی کے ذریعے سے خس و خاشاک کی طرح اڑا دیا۔ (۱۰)

۱۹۔ سورۃ التکویر (مکی) کی قسم کا یہ مطلب ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے تاریکی میں کوئی خواب نہیں دیکھا ہے بلکہ جب تارے چھپ گئے، رات رخصت ہو گئی تھی اور صبح روشن نمودار ہو گئی تھی اس وقت کھلے آسمان پر انہوں نے خدا کے فرشتے کو دیکھا تھا، اس لیے وہ جو کچھ بیان کر رہے ہیں وہ ان کے آنکھوں دیکھے مشاہدے اور پورے ہوش گوش کے ساتھ دن کی روشنی میں پیش آنے والے تجربے پر مبنی ہے۔ (۱۱)

ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

''شمس و قمر کے بے نور کر دینے اور پہاڑوں کو اڑانے اور سمندروں کو دہکانے وغیرہ وغیرہ کی قسموں پر حشر و نشر اور قیامت برپا ہونے کا مضمون بڑی ہی قوی مناسبت رکھتا ہے علاوہ ازیں وحی الٰہی کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے بھی ایک بلند پایہ اور عظیم تر درجہ رکھتا ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، ٹھہرنا، لوٹنا اور پھر چھپ جانا ایک نمونہ ہے، انبیائے سابقین پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت دراز تک اس کے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غایب ہونے کا اور رات کا آنا اسی تاریک دور کا نمونہ ہے جو خاتم الانبیا والمرسلین کی ولادت باسعادت سے پہلے گزرا کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہیں رہی تھی جس طرح رات میں سیاہ و سپید کا فرق نہیں معلوم ہوتا مگر رات کے بعد جب صبح صادق سانس لیتی ہے اور دم بھر کر اپنی روشنی تمام عالم میں پھیلا دیتی ہے تو بالکل اسی طرح حضور کی ولادت باسعادت جہالت و گمراہی کی تاریکیوں کو پھاڑ کر عالم میں ہدایت کا نور پھیلا دینے والی ہے، انبیاے سابقین ستاروں کی طرح تھے مگر آپ کی رسالت ایک آفتاب عالم بن کر عالم کے سامنے درخشاں ہوئی۔ (۱۲)

پیر محمد کرم شاہ الازہری رقم فرماتے ہیں:



''یہ پانچ قسمیں کھانے کے بعد فرمایا تمہارا یہ کہنا سراسر باطل ہے کہ یہ قرآن حضور خود گھڑتے ہیں یا کسی انسان سے سیکھ کر لوگوں کو سناتے ہیں بلکہ یہ وہ کلام ہے جو ایک محترم قاصد لے کر آیا، اس سے مراد جبرائیل امین ہے ان کی چند اور صفات بھی بیان کر دیں کہ وہ بڑے طاقت ور ہیں، مالک عرش کی جناب میں ان کا بڑا بلند مرتبہ ہے اور تمام ملائکہ ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور ان کی امانت میں کسی کو ادنا واہمہ تک بھی نہیں، جب لانے والا ان صفات عالیہ سے متصف ہو، ان مراتب رفیعہ پر فایز ہو تو کون یہ خیال کر سکتا ہے کہ اس نے اس کلام میں کوئی کمی بیشی کی ہوگی''۔ (۱۳)

۲۰۔ سورۃ الانشقاق (مکی) میں بھی قسم کا استعمال ہوا ہے یعنی تمہیں ایک حالت پر نہیں رہنا ہے بلکہ جوانی سے بڑھاپے، بڑھاپے سے موت، موت سے برزخ، برزخ سے دوبارہ زندگی، دوبارہ زندگی سے میدان حشر پھر حساب و کتاب اور پھر جزا و سزا کی بے شمار منزلوں سے لازماً تم کو گزرنا ہوگا، اس بات پر تین چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، سورج ڈوبنے کے بعد شفق کی سرخی، دن کے بعد رات کی تاریکی اور اس میں ان بہت سے انسانوں اور حیوانات کا سمٹ آنا جو دن کے وقت زمین پر پھیلے رہتے ہیں اور چاند کا ہلال سے درجہ بہ درجہ بڑھ کر بدر کامل بننا، یہ گویا چند وہ چیزیں ہیں جو اس بات کی علانیہ شہادت دے رہی ہیں کہ جس کائنات میں انسان رہتا ہے اس کے اندر کہیں ٹھہراؤ نہیں ہے ایک مسلسل تغیر اور درجہ بہ درجہ تبدیلی ہر طرف پائی جاتی ہے، لہٰذا کفار کا یہ خیال صحیح نہیں کہ موت کی آخری ہچکی کے ساتھ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ (۱۴)

۲۱۔ سورۃ البروج (مکی) میں ہے، یہ آسمان، درخشاں ستارے اور اس کے موزوں برج سب کے سب نظم و حساب کی نشانی ہیں اور یوم موعود حساب و کتاب کا واضح منظر ہے، شاہد و مشہود بھی اسی حساب کی نکتہ رسی کا ذریعہ ہیں، پھر یہ تمام قسمیں اس لیے ہیں کہ ایذا پہنچانے والے ظالموں کو خبردار کرے کہ سچے مومنین کے ساتھ کیے جانے والے ان کے تمام مظالم ثبت و ضبط ہیں اور یوم موعود کے لیے انہیں محفوظ کیا گیا ہے اور وہ مشہود جنہوں نے تمہارے جسم کے اعضا و جوارح یا رات دن یا اور اسی قسم کی اشیا، وہ سب ان کاموں کو نظر میں رکھے ہوئے ہیں اور قیامت میں وہ گواہی دیں گے۔ (۱۵)

۲۲۔ سورۃ الطارق (مکی) میں ستاروں کی شہادت اس دعویٰ پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جان پر نگراں مقرر کر رکھے ہیں، ایک تو اس پہلو سے ہے کہ انسان سوچے کہ جس خدا کی مقرر کی ہوئی

اتنی ان گنت آنکھیں رات بھر جاگتی اور ٹکٹکی لگائے زمین والوں کو گھورتی رہتی ہیں کس کی مجال ہے کہ اس کے دام سے بچ کے نکل سکے، سائنس کی ایجاد کردہ وہ بڑی سے بڑی دوربینوں کے اندر بھی وہ طاقت نہیں ہے جو آسمان کے معمولی سے معمولی ستاروں کے اندر ہے، جن کی روشنی تہ بہ تہ فضاؤں کو چیرتی ہوئی زمین تک پہنچ جاتی ہے، جو خدا اپنی قدرت کی یہ شان ہر شب میں ہمیں دکھا رہا ہے اس کے متعلق یہ تصور کہ اس کی نگاہوں سے کوئی چیز بھی اوجھل رہ سکتی ہے صرف اس شخص کے اندر پیدا ہو سکتا ہے جو عقل سے بالکل عاری ہو۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے دوسرا پہلو یہ بیان کیا ہے کہ ان ہی ستاروں کے اندر خدا نے ایسے برج بنائے ہیں جہاں سے ان شیاطین پر شہاب ثاقب کی مار پڑتی ہے جو خدا کے ممنوعہ حدود میں دراندازی کی جسارت کرتے ہیں، قدرت کا یہ انتظام اس بات پر شاہد ہے کہ یہ دنیا بے راعی کا گلہ نہیں بلکہ اس کے چپہ چپہ پر خدا نے اپنے پہرہ دار بٹھا رکھے ہیں جو شب و روز ہر چیز کی نگرانی کررہے ہیں، اس وجہ سے لازماً اس کے بعد ایک یوم الحساب آنا ہے جس کے احتساب سے کوئی بھی اپنے آپ کو نہ بچا سکے گا۔ (۱۶)

۲۳- سورۃ الفجر (مکی) میں جس مضمون کا اثبات ہے وہ جزا و سزا، مکافات عمل، دنیا میں قوموں کا عروج و زوال اور رسولوں کی مخالفت کرنے والوں کا برا انجام ہے، چنانچہ ان قسموں کے بعد قوم عاد، ثمود اور فرعون کی سرکشی اور ان کی سزا کا بیان ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح فجر کا آغاز ایک انقلاب ہے، ذی الحجہ کی دس راتیں ایک بہت بڑی تاریخ پیش کرتی ہیں، چیزوں میں سے ہر چیز جفت ہے یا طاق اور یہ حتمی بات ہے، اسی طرح مکافات عمل بھی حتمی اور یقینی ہے، اللہ تعالیٰ ہر فسادی قوم یا شخص کو ایک خاص حد تک مہلت دینے کے بعد پکڑتا رہا ہے اور یہ ایک برحق مسئلہ ہے۔ (۱۷)

پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

"یہ ساری چیزیں جس نظم و نسق اور باقاعدگی کے ساتھ رونما ہوتی رہتی ہیں وہ اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ یہ اندھی بہری فطرت کی کارستانی نہیں بلکہ ایک قادر، حکیم اور علیم ذات کا ارادہ ان کو معرض وجود میں لا رہا ہے جس کی قدرت کا یہ عالم ہو اس کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا قطعاً مشکل نہیں، جب اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حکیمانہ ہے تو وہ حضرت انسان کو اتنی



قوتوں سے بہرہ ور کرنے کے بعد اس کو یوں ہی چھوڑ نہیں دیتا کہ وہ ان سے پوچھے ہی نہیں کہ انھوں نے خدا کی دی ہوئی قوتوں اور نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا ہے، یہ بات بھی اس کی حکمت کے سراسر منافی ہے کہ جن لوگوں نے اس کی دی ہوئی قوتوں کو صحیح استعمال کیا، ان سے اس کی مخلوق کو فائدہ پہنچایا، نیکی اور اخلاق حسنہ کی آب یاری کی، ان کو تو کوئی اجر نہ ملے اور جنھوں نے نے ان نعمتوں پر ناشکری کی، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی تباہی و بربادی کے لیے انھیں استعمال کیا اور فسق و فجور کی داغ بیل ڈالی، ان کو ان کے کرتوتوں کی کوئی سزا نہ دی جائے"۔ (۱۸)

مزید وضاحت کے لیے تفہیم القرآن، جلد ۶، ص ۳۲۷ - ۳۲۸ ملاحظہ ہو، مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"یہاں جو قسمیں کھائی گئی ہیں وہ اس دعویٰ پر شہادت کے لیے کھائی گئی ہیں کہ اس کائنات کا مدبر حقیقی اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے، اسی کے ہاتھ میں ہر چیز کی باگ ہے وہی جب چاہتا ہے ایک چیز کو نمودار کرتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو اوجھل کر دیتا ہے، وہی جس کو جس حد تک چاہتا ہے ڈھیل دیتا ہے اور جہاں چاہتا ہے روک دیتا ہے، مجال نہیں کہ کوئی شے اس کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھ سکے یا اس کے اختیار میں مداخلت کر سکے"۔ (۱۹)

۲۴- سورۃ البلد (مکی) میں فرمایا کہ انسان اس دنیا میں مزے کرنے اور چین کی بنسری بجانے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کے لیے یہ دنیا محنت اور مشقت اور سختیاں جھیلنے کی جگہ ہے اور کوئی انسان بھی اس حالت سے گزرے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ شہر مکہ گواہ ہے کہ کسی اللہ کے بندے نے اپنی جان کھپائی تھی تب یہ بسا اور عرب کا مرکز اس شہر مکہ میں محمد ﷺ کی حالت گواہ ہے کہ وہ ایک مقصد کے لیے طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں حتی کہ یہاں جنگل کے جانوروں کے لیے امان ہے مگر ان کے لیے نہیں اور ہر انسان کی زندگی ماں کے پیٹ میں نطفہ قرار پانے سے لے کر موت کے آخری سانس تک اس بات پر گواہ ہے کہ اس کو قدم قدم پر تکلیف، مشقت، محنت، خطرات اور شدائد کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے، جس کو تم بڑی سے بڑی قابل رشک حالت میں دیکھتے ہو وہ بھی جب ماں کے پیٹ میں تھا تو ہر وقت اس خطرے میں مبتلا تھا کہ اندر ہی مر جائے یا اس کا اسقاط ہو جائے، زچگی کے وقت اس کی موت اور زندگی کے درمیان بال بھر

سے زیادہ فاصلہ نہ تھا، پیدا ہوا تو اتنا بے بس تھا کہ کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہوتا تو پڑے پڑے ہی سسک سسک کر مر جاتا، چلنے کے قابل ہوا تو قدم قدم پر گرتا پڑتا تھا، بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک ایسے ایسے جسمانی تغیرات سے اس کو گزرنا پڑا کہ کوئی تغیر اگر غلط سمت میں ہو جاتا تو اس کی جان کے لالے پڑ جاتے، وہ اگر بادشاہ یا ڈکٹیٹر بھی ہے تو کسی وقت اس اندیشے سے اس کو چین نصیب نہیں ہے کہ کہیں اس کے خلاف کوئی سازش نہ ہو جائے، وہ اگر فاتح عالم بھی ہے تو کسی وقت اس خطرے سے امن میں نہیں ہے کہ اس کے اپنے سپہ سالاروں میں سے کوئی بغاوت نہ کر بیٹھے، وہ اگر اپنے وقت کا قارون بھی ہے تو اس فکر میں ہر وقت غلطاں و پیچاں ہے کہ اپنی دولت کیسے بڑھائے اور کسی طرح اس کی حفاظت کرے، غرض کوئی شخص بھی بے غل و غش چین کی نعمت سے بہرہ مند نہیں کیوں کہ انسان پیدا ہی مشقت میں کیا گیا ہے۔ (۲۰)

ضیاء القرآن، جلد ۵، ص ۵۶۵ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۲۵- سورۃ الشمس کی ان گیارہ انتہائی اہم قسموں کا اس حقیقت کے ساتھ جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے، کیا ربط ہے؟

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے اس حقیقت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ میں نے تم انسانوں کی سعادت و خوش بختی کے لیے تمام مادی و معنوی وسایل فراہم کیے ہیں۔

ایک طرف تو سورج اور چاند کے نور اور روشنی سے تمہاری زندگی کے میدان کو روشن کر دیا ہے اور تمہارے رات دن کے حرکت و سکون کے نظام کو منظم کر کے زمین کو تمہاری زندگی کے لیے ہر جہت سے آمادہ کیا ہے۔

دوسری طرف تمہاری روح کو تمام صلاحیتوں کے ساتھ خلق کیا، بیدار وجدان تمہیں عطا کیا ہے اور اشیا کے حسن و قبح کا تمہیں الہام کیا ہے، اس بنا پر سعادت کی راہ کو طے کرنے کے لیے تمہارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں اس حال میں تم اپنے نفس کا تزکیہ کیوں نہیں کرتے؟ اور شیطان کے بہکائے میں کیوں آتے ہو؟۔ (۲۱)

۲۶- سورۃ اللیل (مکی) کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی تحریر فرماتے ہیں کہ ان قسموں پر غور کیجیے، رات اور دن، نر اور مادہ میں نسبت زوجین کی ہے اور یہ کسی دعوے پر شہادت



کے لیے آئی ہیں اور یہ دونوں مل کر اس مقصد کو پورا کرتے ہیں جس کے لیے خالق نے ان کو پیدا کیا ہے، ان میں سے ہر ایک کے اندر خلا ہے جو جوڑے کے ساتھ مل کر ہی پورا ہوتا ہے، اس کے بغیر ان کے وجود کی نہ کوئی افادیت باقی رہتی ہے اور نہ ان کی صلاحیتوں کی کوئی توجیہ ہو سکتی ہے، قرآن مجید نے ان اضداد کے اندر توافق کے پہلو سے توحید پر بھی دلیل پیش کی ہے اور قیامت پر بھی شہادت پیش کی ہے جو یہاں مقصود ہے۔

یعنی کائنات میں جس طرح ہر چیز کا جوڑا جوڑا ہونا اور اپنے جوڑے ہی کے ذریعہ سے ہر چیز کا اپنی غایت اور مقصد کو پہنچنا ہوتا ہے، اسی طرح اس دنیا کا بھی جوڑا ہے اور وہ آخرت جو لازماً ظہور میں آئے گی تاکہ یہ دنیا اپنی غایت اور اپنے مقصد کو پہنچے ورنہ یہ بالکل عبث اور بے غایت بن کے رہ جائے گی، اگر آخرت نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خالق کے نزدیک نیکی کرنے والے اور بدی کرنے والے دونوں یکساں ہیں، ایک حکیم خالق کی شان کے یہ بالکل خلاف ہے کہ وہ نیک اور بد دونوں کی جدوجہد اور کمائی کو یکساں کر دے۔ (۲۲)

"جس طرح دن اور رات، نر اور مادہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان میں سے ہر دو کے آثار و نتایج باہم متضاد ہیں، اسی طرح تم لوگ جن راہوں اور مقاصد میں اپنی کوشش صرف کر رہے ہو وہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے مختلف اور نتایج کے اعتبار سے متضاد ہیں"۔ (۲۳)

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

"کائناتی اور انسانی انواع و اقسام کا تقابل پیش کر کے بتایا ہے کہ انسانوں کی سعی مختلف ہے اور اسی لیے ان کے طریقے اور جزا بھی مختلف ہے، خیر و شر میں مماثلت نہیں، جس طرح ہدایت و ضلالت میں بھی مماثلت نہیں، صلاح و فساد دو الگ الگ چیزیں ہیں، عطا و تقویٰ اور چیز ہے اور بخل و استغنا اور ہے، تصدیق و ایمان میں اور تکذیب و کفر میں مماثلت نہیں ہے، ہر ایک کا اپنا طریق ہے، اپنا اپنا انجام اور اپنی اپنی جزا ہے"۔ (۲۴)

ان کوششوں کی سمت اور ان کے نتایج بھی مکمل طور پر مختلف اور متفاوت ہیں جو اس طرف اشارہ ہے کہ تم بہر حال زندگی میں سکون و آرام سے نہیں رہو گے اور یقینی طور پر سعی و کوشش کے لیے ہاتھ پاؤں مارو گے اور خداداد قوتوں اور توانائیوں کو جو تمہارے وجود کا سرمایہ ہیں، کسی نہ

کسی رستے میں خرچ کروگے، لہٰذا اب تم خود دیکھوگے کہ تمہاری سعی و کوشش کس رستے، کس سمت اور کس نتیجہ کی حامل ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے تمام سرمایوں، صلاحیتوں کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالو، یا فضول مفت میں ضایع کربیٹھو۔ (۲۵)

۲۷- والضحیٰ (مکی) کی قسموں کے متعلق سید قطب شہید لکھتے ہیں:

''کائنات میں ہمیشہ ایک ہی حالات اور ایک جیسا وقت نہیں رہتا، کبھی دن کی روشنی ہے اور کبھی رات کی ظلمت، اسی طرح کبھی وحی کا نزول ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا، رات کے آنے سے اگر یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں سے ناراض ہوگیا ہے، اسی طرح عارضی طور پر وحی کی بندش سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رخصت کردیا ہے یا وہ آپ سے ناراض ہے، اس مضمون کے اثبات کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو بڑے صاف اور شفاف وقتوں کا انتخاب فرمایا ہے، روشنی کے لحاظ سے چاشت کا وقت اور تاریکی کے لحاظ سے رات کا وقت، مطلب یہ کہ تیرا پروردگار نہ دن کو تجھ سے ناراض ہے نہ رات کو، زمانے کی حرکت میں یہ دونوں فطری اوقات ہیں، اسی طرح نزول وحی اور کبھی عدم نزول ہر دو کا وجود فطری ہے''۔ (۲۶)

رات کی ظلمت کو دن کی تاریکی دور کرتی ہے، شرک و جہل کی تاریکی نور نبوت سے دور ہوتی ہے، جب نور کے ظہور کے لیے خدائی انتظام موجود ہے تو نور معنوی کے لیے یہ اہتمام کیوں نہ ہوگا، اس لیے آپ کا رب آپ کو کیسے چھوڑ سکتا ہے۔

۲۸- سورۃ التین (مکی) کے تعارف میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

لیکن یہاں خاص طور پر انبیا کے مقامات ظہور کی قسم کھا کر یہ فرمانا کہ انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا گیا ہے، یہ معنی رکھتا ہے کہ نوع انسانی کو اتنی بہتر ساخت عطا کی گئی کہ اس کے اندر نبوت جیسے بلند ترین منصب کے حامل لوگ پیدا ہوئے جس سے اونچا منصب خدا کی کسی دوسری مخلوق کو نصیب نہیں ہوا۔ (۲۷)

اس سورہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انسان کے احسن تقویم پر ہونے کی شہادت میں ان مقامات کی قسم کھائی گئی ہے جو خدا کے پیغمبروں سے نسبت رکھتے ہیں، شام و فلسطین کا علاقہ وہ علاقہ ہے جہاں حضرت ابراہیم سے



لے کر حضرت عیسیٰ تک بہ کثرت انبیا مبعوث ہوئے، کوہ طور وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ کو نبوت عطا کی گئی، رہا مکہ معظمہ تو اس کی بنا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے ہاتھوں پڑی، ان ہی کے بہ دولت وہ عرب کا مقدس ترین مرکزی شہر بنا، حضرت ابراہیم نے ہی یہ دعا مانگی تھی کہ:

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا (البقرہ ۲:۱۲۶) اے میرے رب اس کو ایک پرامن شہر بنا۔

اس دعا کی یہ برکت تھی کہ عرب میں ہر طرف پھیلی ہوئی بدامنی کے درمیان صرف یہی ایک شہر ڈھائی ہزار سال سے امن کا گہوارہ بنا ہوا تھا، پس کلام کا مقصود یہ ہے کہ ہم نے نوع انسانی کو ایسی بہترین ساخت پر بنایا ہے کہ اس میں نبوت جیسے عظیم مرتبے کے حامل انسان پیدا ہوئے۔ (۲۸)

۲۹- سورۃ العٰدیٰت (مکی) کی قسموں کے موصوف گھوڑوں سے اکثر مفسرین نے غازیوں کے گھوڑے مراد لیے ہیں اور جس مجمع میں ان کے جا گھسنے کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد ان کے نزدیک کفار کا مجمع ہے، حالاں کہ یہ قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے، اب یہ ظاہر ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں غازیوں کے گھوڑوں کی دوڑ دھوپ اور کفار کے کسی مجمع پر ان کا ٹوٹ پڑنا اس امر پر کوئی دلالت نہیں کرتا کہ انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور نہ بعد کے یہ فقرے کہ انسان اپنی اس ناشکری پر خود گواہ ہے اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے، ان لوگوں پر چسپاں ہوتے ہیں جو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے نکلتے ہیں، اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس سورہ کی ابتدائی پانچ آیات میں جو قسمیں کھائی گئی ہیں، ان کا اشارہ دراصل اس عام کشت و خون اور غارت گری کی طرف ہے جو عرب میں اس وقت برپا تھی، جاہلیت کے زمانے میں رات ایک بہت خوف ناک چیز ہوتی تھی جس میں ہر قبیلے اور بستی کے لوگ یہ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ نہ معلوم کون سا دشمن ان پر چڑھائی کرنے کے لیے آرہا ہو اور دن کی روشنی نمودار ہونے پر وہ اطمینان کا سانس لیتے تھے کہ رات خیریت سے گزر گئی، وہاں قبیلوں کے درمیان محض انتقامی لڑائیاں ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ مختلف قبیلے ایک دوسرے پر اس غرض کے لیے بھی چھاپے مارتے رہتے تھے کہ ان کی دولت لوٹ لیں، ان کے مویشی ہانک لے جائیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیں، اس ظلم و ستم اور غارت گری کو جو زیادہ تر گھوڑوں پر سوار ہو کر ہی کی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ اس امر کی دلیل کے طور پر پیش کر رہا ہے کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا

ہے یعنی جس طاقت کو وہ جنگ و جدل اور غارت گری میں استعمال کر رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس لیے تو نہیں دی تھی کہ اس سے یہ کام لیا جائے، پس درحقیقت یہ بہت بڑی ناشکری ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے ان وسایل اور اس کی بخشی ہوئی ان طاقتوں کو اس فساد فی الارض میں استعمال کیا جائے جو اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ (۲۹)

مولانا امین احسن اصلاحی عرب معاشرہ میں گھوڑے کی اہمیت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"گھوڑوں کی یہ قدر و قیمت ظاہر ہے کہ ان کی خدمات اور جاں بازیوں کی بنا پر ہے جو وہ انسان کی خاطر انجام دیتے ہیں، اگر یہ خدمتیں وہ انجام نہ دیتے تو انسان نہ ان پر اپنا مال خرچ کرتا اور نہ اپنے قصیدوں میں ان کی مدح سرائی کرتا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہے کہ غلام کی قدر و قیمت کا انحصار اس کی خدمات پر ہے لیکن خود اپنے معاملے میں وہ اس حقیقت کو فراموش کر جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ جس رب کا غلام ہے حکم تو اس کا ایک نہ مانے لیکن انعام دنیا اور آخرت میں سب سے بڑھ کر پائے۔

انسان کی ناشکری کا ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ انسان نہ گھوڑوں ہی کا خالق ہے اور نہ ان چیزوں کا خالق ہے جن پر ان کی پرورش کا انحصار ہے تاہم وہ نہایت بے جگری سے انسان کی خدمت محض اس وجہ سے کرتے ہیں کہ خدا نے ان کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے، اس کے برعکس انسان کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بھی خالق ہے اور اس کے کام آنے والے تمام جانوروں اور معاش و معیشت کے جملہ اسباب و وسایل کا بھی لیکن وہ خدا کی بندگی کے حقوق و فرایض سے بے پرواہے"۔ (۳۰)

اگر ان گھوڑوں سے مراد میدان جہاد میں دشمن کے خلاف نبرد آزما ہونے والے گھوڑے ہوں تو پھر قسم اور مقسم بہ میں کیا ربط ہوگا، اس سلسلہ میں تفسیر نمونہ میں ہے:

"زیر بحث آیات میں ممکن ہے اس طرح کا ربط ہو کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ ایسے ایثار کرنے والے انسان بھی موجود ہیں جو جہاد کے راستہ میں بے پروا ہو کر پیش رفت کرتے ہیں اور کسی قسم کی فداکاری میں کوتاہی نہیں کرتے اور اپنی جان و مال خدا کی راہ میں دے دیتے ہیں لیکن بعض لوگ اتنے بخیل اور ناشکرے کیوں بن جاتے ہیں کہ نہ تو وہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ



میں خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی راہ میں ایثار کرتے ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ قسم تو گھوڑوں کی کھائی گئی ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ وہ مجاہدین کے لیے ایک آلہ ہیں اور حقیقت میں مجاہدین کے جہاد کی قسم کھائی گئی ہے"۔ (۳۱)

۳۰۔ سورۃ العصر (مکی) کی قسم سے بہ قول مولانا امین احسن اصلاحی ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے تاریخ کے ان واقعات کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس دنیا میں قانون مجازات کے ظہور کے پیش آئے اور جو قرآن اور دوسرے آسمانی صحیفوں میں بیان ہوئے ہیں، دوسری طرف لوگوں کو اس سے جھنجھوڑا ہے کہ لوگ اپنی زندگیاں غفلت میں نہ گزاریں بلکہ پوری مستعدی سے ان سے فایدہ اٹھانے کی کوشش کریں، ان تیز رو لمحات کے بدلے وہ ابدی بادشاہی حاصل کر سکتے ہیں اگر انھوں نے ان کی صحیح قدر پہچانی اور اگر ان کی قدر نہ پہچانی تو یاد رکھیں یہ ان کے لیے ابدی لعنت بن جائیں گے۔ (۳۲)

جب ایک طرف مہلت حیات کی اہمیت اور قدر و قیمت کا حال یہ ہے کہ اس کے بدلے میں انسان ابدی بادشاہی حاصل کر سکتا ہے ور اگر اس سے غفلت برتے تو یہ اس کے لیے ابدی لعنت بن جاتی ہے، دوسری طرف اس کی تیز روی کا یہ حال ہے کہ ہر سیکنڈ کے ساتھ وہ ماضی کے اندر تحلیل ہوتی جارہی ہے اور اس پر انسان کو کوئی قابو نہیں تو وہ سارے انسان انتہائی خسارے میں ہوئے جن کا اصل رأس المال اس تیزی سے برباد ہو رہا ہے اور وہ اس سے غافل ہوں، چنانچہ اس کو شہادت میں پیش کر کے فرمایا کہ انسان گھاٹے میں ہیں بہ جز ان کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے۔ (۳۳)

اگر عصر سے مراد عہد نبوی لیا جائے تو یہ بھی شاہد ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے، اس سلسلہ میں پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

"بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ والعصر سے مراد وہ عہد ہمایوں ہے، جب یہ جہاں محمد عربی ﷺ کے وجود مسعود سے منور ہوا، ویسے تو ہر زمانہ اس سورت میں بیان کردہ مضامین کی حقانیت کا گواہ ہے لیکن جیسی اٹل ناقابل تردید شہادت عہد مصطفوی نے دی ہے، اس کی کہیں نظیر نہیں مل سکتی، جن لوگوں نے دعوت محمدی کو قبول نہ کیا، وہ اپنی امارتوں، ریاستوں اور گوناگوں دیگر خصوصیات کے

باوجود مٹ گئے، نیست ونابود ہوگئے، انسانیت نے ان کو فراموش کردیا اور جن کی کچھ یاد باقی ہے ان کا نام گالی کے طور پر ہی استعمال ہوتا ہے لیکن جن خوش نصیبوں نے اس ہادی برحق کی دعوت کو قبول کرلیا اور اس کی غلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے باعث ان چار خوبیوں سے اپنی زندگی کا دامن بھرلیا وہ انسانیت کی آبرو بن گئے، چشم گیتی کا نور، گلشن ہستی کی بہار اور فخر روزگار بن گئے، ان کا نام زبان پر آتا ہے تو پاک بازی اور نفع رسانی کی دنیا میں نور پھیل جاتا ہے، ان کے ذکر سے طاغوتی طاقتوں پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار قدسیوں کا یہ گروہ اور ان کے نقوش پا کو خضر راہ بنانے والے کاروان انسانیت کی قیادت کا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں، انہوں نے اپنی للہیت اور خلوص عمل سے انسان کے سرافتخار کو بلند کردیا ہے۔ (۳۴)

---

## حوالے

(۱) تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۲۹۱ (۲) تبیان القرآن، ج ۵، ص ۱۸۷-۱۸۸ (۳) تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۵۸ (۴) ضیاء القرآن، ج ۵، ۳۳۰ (۵) ایضاً ص ۳۵۴ (۶) تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۹۴ (۷) تدبر قرآن، ج ۹، ص ۶۱ (۸) معارف القرآن، ج ۸، ص ۴۷۵ (۹) تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۳۳۹ (۱۰) تدبر قرآن، ج ۹، ص ۱۷۷ (۱۱) تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۲۶۸ (۱۲) معارف القرآن، ج ۷، ص ۵۰۹ (۱۳) ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۵۰۴ (۱۴) تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۲۹۱-۲۹۲ (۱۵) تفسیر نمونہ، ج ۲۷، ص ۲۸۰ (۱۶) تدبر قرآن، ج ۹، ص ۳۰۱-۳۰۲ (۱۷) فی ظلال القرآن، ج ۱۰، ص ۵۶۱ (۱۸) ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۵۵۵-۵۵۶ (۱۹) تدبر قرآن، ج ۹، ص ۳۴۶ (۲۰) تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۳۳۷ (۲۱) تفسیر نمونہ، ج ۲۷، ص ۶۷ (۲۲) تدبر قرآن، ج ۹، ص ۴۰۱ (۲۳) تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۳۶۰ (۲۴) فی ظلال القرآن، ج ۱۰، ص ۵۸۶ (۲۵) تفسیر نمونہ، ج ۲۷، ص ۸۵ (۲۶) فی ظلال القرآن، ج ۱۰، ص ۵۹۱ (۲۷) تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۳۸۴ (۲۸) ایضاً ص ۳۸۷ (۲۹) ایضاً ص ۴۳۰ (۳۰) تدبر قرآن، ج ۹، ص ۵۰۲-۵۰۳ (۳۱) تفسیر نمونہ، ج ۲۷، ص ۲۲۶-۲۲۷ (۳۲) تدبر قرآن، ج ۹، ۵۳۲-۵۳۳ (۳۳) ایضاً ص ۵۳۴ (۳۴) ضیاء القرآن، ج ۵، ۶۵۳-۶۵۴

❀❀❀



# ملا محمد محسن فانی کشمیری

از:- پروفیسر عبدالاحد رفیق☆

محمد محسن نام، فانی تخلص، ملا لقب، والد کا نام شیخ حسن بن شیخ محمود یا محمد تھا، ان کے خاندان کے وارث اعلا امیر محمد نے شاہ میریوں کے دربار میں کافی اثر ورسوخ حاصل کرکے ایک اہم رتبہ حاصل کیا تھا۔[1] ان کے فرزند میر بایزید کا ایک لڑکا میر محمد علی تھا اور اس کے دو بیٹے تھے، میر محمد حسنؒ اور میر محمد حسینؒ، میر محمد حسن کے سات بیٹے تھے جن کے نام میر کمال، میر یعقوب، میر محمد شریف، میر محمد یا محمود، میر ابراہیم، میر حیدر اور میر نوروز، ملا محسن فانی میر محمد یا محمود کے پوتے (ابن میر حسن) تھے، یہ خاندان میر اور شیخ دونوں لقبوں سے پکارا جاتا تھا،[2] جن تذکرہ نگاروں نے انہیں شیخ یعقوب صرفیؒ کا شاگرد بتایا ہے ان کا بیان صحیح نہیں، کیوں کہ شیخ صرفی ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء میں وفات پاگئے تھے اور معلوم مآخذ کی رو سے فانی شاید اس سال تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، ان کی تاریخ وفات ۱۰۸۲ھ/۱۶۷۱ء ہے، وہ ملا محمد گافی کے شاگرد تھے،[3] انہوں نے علم وفضل میں کمال حاصل کیا، لاہور، دہلی وغیرہ جیسے مقامات پر جاکر اعلا تعلیم حاصل کی،[4] چنانچہ سیاحت کے دوران وہ نذر محمد خان والیِ بلخ کے دربار میں بھی رہے، سفر سے واپس آکر شاہ جہاں نے ان کے علم وتدبر کا لحاظ رکھتے ہوئے الٰہ آباد میں صدارت کے عہدے (چیف جسٹس) پر فائز المرام کیا اور پھر کشمیر میں اسی عہدے پر تعینات کیا۔[5]

---

[1] تحایف الابرار ذکر اولیا، از محی الدین مسکین، امرت سر ۱۳۲۲ھ، ص ۲۹۶۔ [2] تذکرہ شعرائے کشمیر راشدی، ج ۲، ص ۶۳۶۔ [3] پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ، ص ۳۳۷۔ [4] ہنر ومردم، شمارہ ۱۱۳، ص ۷۹، مقالہ صوفیان کشمیر از ڈاکٹر صابر آفاقی۔ [5] ایضاً۔

---

☆ نزد سٹیل فیکٹری، اپر صورہ، سری نگر۔

صاحب مراۃ الخیال لکھتے ہیں کہ شاہ جہاں نے ان کی قدر و منزلت کی اور انہیں الٰہ آباد میں صدارت کے عہدے پر فائز کیا، ۱۰۵۶ھ/۱۶۴۶ء میں جب شاہزادہ مراد بخش نے بلخ فتح کیا اور نذر محمد حاکم بلخ مال و متاع چھوڑ کر بھاگ گیا تو اس کے کتب خانے سے دیوان محسن فانی ملا، جس میں خان مذکور کی تعریف میں ان کے اشعار موجود تھے، اس لیے وہ شاہ جہاں کی نظروں سے گر گئے اور عہدۂ صدارت سے معزول کردیے گئے، اس کے باوجود ان کا سالانہ وظیفہ مقرر کردیا گیا اور وہ آخری دم تک کشمیر میں درس و تدریس میں مشغول رہے، نذر محمد خان کی مدح کا مسئلہ مشکوک سا نظر آتا ہے، وہ یوں کہ ایک عالم دین اور حکومت کا صدر ہندوستان میں بیٹھا دور کی ایک چھوٹی سی حکومت کے والی کی تعریف میں اشعار لکھتا کیوں پھرے، فانی کے مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ معزولی کی اصل وجہ کچھ اور تھی اور یہ علما کی رقابت کا شاخسانہ تھا، اس زمانے میں کشمیر کے اکثر عالموں نے داراشکوہ کے بعض اقوال پر اعتراض کرنا شروع کردیے تھے[1]۔

چنانچہ دارا نے ان کا جواب دینے کے لیے اور اس امر کی تائید میں ملا محسن فانی، ملا شاہ، شیخ محب اللہ الٰہ آبادی کے بیانات پیش کیے اور چوں کہ یہ تینوں بزرگ ہستیاں داراشکوہ کی پشت پناہی کررہی تھیں، لوگ ان سے بدظن ہوگئے اور لوگوں کی کشمیر کے بعض عالم رہنمائی کرتے تھے جن کو فانی کے ساتھ ہمیشہ حاسدانہ رقابت تھی، ان عالموں نے شاہ جہاں کو فانی کے خلاف اکسایا، شاہ جہاں نے ظفر خاں کو لکھا کہ فانی سے ان مسایل کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے، مگر داراشکوہ نے مداخلت کرکے معاملے کو ٹال دیا، چنانچہ فانی مندرجہ ذیل اشعار میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

مایۂ دیوانگی، درد ہر ہم، تاثیر کرد　　کو بجرم عاقلی در پای من زنجیر
بر دم تیغ قلم ہم تہمت خوں می کند　　حرف رنگیں بعد ازیں کے می تواں تحریر کرد
داغ شو یوسف کہ ما را از غم داراشکوہ　　عشق بر عکس زلیخا در جوانی پیر کرد
قاضی از دیباچہ ای بر نسخہ فانی نوشت　　فتوی خونین رقم زد - زہر را در شیر کرد

دیگر

بے نصیب از درک معنی باد آں کس پیش شاہ　　علم ما را در لباس جہل ما تقریر کرد

[1] رود کوثر از شیخ اکرام، ص ۴۴۴، فیروز سنز لمیٹیڈ، لاہور و کراچی ۱۹۶۸ء۔



در جہاں بوی پیاز بلخ مشہور است لیک　　مدعی ایں تہمت آخر بر گل کشمیر کرد[1]

ایک اور شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہ جہاں سے خوش نہ تھے، چنانچہ طنزیہ انداز میں کہتے ہیں۔

چو شاہ ملک قناعت شدم چہ غم دارم　　اگر ز شاہ جہانم خطاب خانی نیست[2]

اور ناراض ہوکر غصے کا بھی اظہار کرتے ہیں۔

از ادب دور است زیر تیغ شاہاں دم زدن　　ورنہ از تیر دعا ما ہم جوابی داشتیم[3]

مگر یہاں یہ بات یقینی نہیں کہ تیر بد دعا کا رخ شاہ جہاں کی طرف تھا یا اورنگ زیب کی طرف، اس لیے کہ وہ داراشکوہ کے قتل کا باعث ہوا اور صاحب تحایف الابرار کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے ساتھ فانی کے گہرے مراسم تھے، شاہزادہ مذکور نے ان سے تصوف، فلسفہ اور منطق کی تعلیم حاصل کی تھی اور فانی خود کہتے ہیں۔

فانی کہ سجدۂ در داراشکوہ کرد　　دیگر سرش فرود بہ ہر در نمی شود

ایک دفعہ داراشکوہ نے فنا و بقا کے موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے تخلص فانی کے بارے میں خط لکھا، فانی نے اس کا جواب مدلل دیا، اس خط کو یہاں بہ وجہ طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے مگر خط کی عبارت سے فانی اور داراشکوہ کے گہرے روابط پر کافی روشنی پڑتی ہے[4]۔

بہر حال فانی آزاد خیال فلسفی، عالم، شاعر، ادیب اور اعلا پایہ مفکر تھے اور وہ شروع میں مذہب حکما پر عامل تھے، آزاد مشربی اور صلح کل ان کا مسلک تھا، چنانچہ مراۃ الخیال میں لکھا ہے:

سالک مسالک نکتہ داں شیخ محسن فانی فاضل متبحر و صاحب جاہ و پاکیزہ روزگار و خوش گو و خوش صحبت بودہ[5]

ید بیضا میں آزاد بلگرامی لکھتے ہیں[6]:

"از ہائی کشمیر است، درویشی صوفی مشرف صاحب ذوق بود، غنی کشمیری بہ خدمت وی کسب کمالات کردہ"۔

[1] صحف ابراہیم، ص ۲۲۴۔ [2] دیوان فانی۔ [3] ایضاً۔ [4] پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ، ص ۳۳۹۔
[5] مراۃ الخیال، ص ۲۵۴۔ [6] ید بیضا، آزاد بلگرامی، ص بحوالہ بزم تیموریہ، ص ۱۸۹۔

صبح گلشن میں لکھا ہے، وی در اکثر علوم علم یکتائی می افراشت۔

وہ داراشکوہ کے ندیم خاص رہے اور اس کے یہاں بڑی ثروت و عظمت حاصل کی، حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی سے سلوک کی تعلیم پائی اور تصفیہ دل اور تزکیہ باطن کی نعمت سے سرفراز ہوئے، صدارت کے عہدے سے معزول ہونے کے بعد فانی نے بقیہ عمر کشمیر میں گزاری، ان سے فیض یاب ہونے کے لیے ان کے یہاں امرا اور تلامذہ کا ہجوم رہتا تھا،[1] ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حسن کو سچائی سمجھتے تھے، مراۃ الخیال میں لکھا ہے۔[2]

"ہموارہ بدرس و افادہ اشتغال داشتی و اکثری از شاگردانش سادہ رو بودند در میان باغچہ حویلی نشیمنی مربع با حوض سنگین ساختہ، حوض خانہ نام کردہ بود و ہنگام نصف النہار در آنجا می نشست، و یک یک شاگرد بنوبت بجہت سبق می رفت"۔

نتایج الافکار میں بیان کیا گیا ہے۔[3]

"فانی گنجینہ فنون نکتہ دانی، شیخ محسن فانی، کہ از اعیان کشمیر است، و در فضل و کمال بی نظیر تحصیل علوم و فنون ............ وبجوہر ذاتی وصفاتی مستعد بارگاہ شاہ جہاں گشتہ ............ وبحسن خلق وبجیہ رضیہ، در آں دیار مرجع خاص و عام گردیدہ"۔

تحایف الابرار میں مذکور ہے کہ بعد میں فانی پہلی روش سے باز آ گئے اور حضرت محمد امین ڈار کی وجہ سے توبہ واستغفار کر لی۔[4]

فانی کے اپنے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیخ محب اللہ الہ آبادی کے مرید تھے، چنانچہ مثنوی "مصدر الآثار" میں لکھتے ہیں۔[5]

---

[1] بزم تیموریہ، ص ۱۹۰۔ [2] مراۃ الخیال، ص ۲۵۵ بحوالہ راشدی، ج ۳، ص ۱۰۴۷۔ [3] نتایج الافکار، ص ۵۴۱-۵۴۲ بحوالہ راشدی، ج ۳، ص ۱۰۵۹۔ [4] نتایج الافکار، بحوالہ "پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ" ص ۳۳۹۔
[5] شیخ محب اللہ الہ آباد کے رہنے والے تھے، علوم ظاہری و باطنی میں ان کو کمال حاصل تھا، داراشکوہ آپ کا بڑا مداح تھا اور داراشکوہ کی وجہ سے ان کی دوستی فانی کے ساتھ اور بڑھ گئی تھی، ان کا خیال تھا کہ بادشاہ کو تمام رعایا کا مساوی خیال رکھنا چاہیے، مومن، کافر میں کوئی تمیز نہیں ہونی چاہیے، زیادہ تر کتابیں تصوف کے موضوع پر لکھی ہیں، رسالہ وجود مطلق، رسالہ تسویہ، ان کی وفات ۱۶۴۸ء میں ہوئی۔



پیریم و مرید حضرت اللہ ایم یعنی کہ محب خاص ملا شاہیم
محبوب و محب وحب ما گشت بلی در سلسلہ شاہ محب اللہ ایم

ملا شاہ بدخشی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

راہی بمیاں بود میان من و شاہ رہ قطع نمودم وشدم بر درگاہ
در وانشد از درگہ شہ بر رخ من وا گردیدم بخویش وے دیدم اللہ
از بسکہ زہر سلسلہ دلگیر شدم سر سلسلۂ حلقہ زنجیر شدم
برپا کردم سلسلہ پیر و مرید ہم ملا شاہ و ہم میاں میر شدم[1]

ذیل کی رباعی سے معلوم ہوتا ہے کہ فانی کے والد شیخ حسن کے بھی ملا شاہ کے ساتھ گہرے روابط قایم تھے۔

شیخ محسن ماند از وجہ حسن شیخ مومن ماندہ را با نصف آں
گو بگیرد تا دو تاریخی شود از برائی رحلت شیخ کلاں

اس رباعی سے محسن فانی کے والد کی تاریخ وفات ۱۰۶۴ھ نکلتی ہے۔

فانی کے تعلقات سرمد کے ساتھ بھی تھے، کیوں کہ داراشکوہ کی وجہ سے سب اس آزاد خیال گروپ میں شامل تھے، جس کی قیادت اور آب یاری وہ کرتے تھے، چوں کہ سرمد اس زمانے کی ایک دل چسپ ہستی تھے، مذہبی تاریخ کا ایک دل چسپ موضوع ہونے کے علاوہ وہ ہندوستان کی ادبی تاریخ میں بھی ایک باعزت مقام کے مستحق ہیں، ان کی رباعیات بڑی پرلطف ہیں اور جب ان کے باثر اور پرخلوص اشعار کا متاخرین کے کلام سے مقابلہ کرتے ہیں جو معنی آفرینی اور نازک خیالی کی بھول بھلیاں میں گرفتار تھے تو خیال ہوتا ہے کہ اگرچہ محسن فانی کو غنی اور

---

[1] ملا شاہ، بدخشاں کے ایک گاؤں میں تولد ہوئے تھے، جوانی کے دنوں میں کشمیر آئے اور یہاں سے لاہور چلے گئے، گرمی کے دنوں میں کشمیر آتے تھے، جس زمانے میں آپ کشمیر میں تھے، یہاں شیعہ سنی اختلافات زوروں پر تھے اور آپ نے اکثر حضرات کو دلایل دے کر سنی بنا دیا، تصوف میں وحدت الوجود کے قایل تھے، ۱۶۳۹ء میں شاہ جہاں کشمیر آیا تو اس لیے ملا شاہ کو اپنے پاس بلایا اور دیر تک ان سے بات چیت کرتے رہے، اس کا ذکر بادشاہ نامہ میں ہے، "رود کوثر"، ص ۴۳۲۔

ناصر علی سرہندی کی سی ادبی شہرت حاصل نہیں ہوئی لیکن ان کا مختصر مجموعۂ کلام رباعیات اس زمانے کے دوسرے شعرا کے کلام سے زیادہ شیریں اور صحیح شاعرانہ نقطۂ نظر سے زیادہ باوقعت ہے، اسی لیے فانی کو ان کا پورا پورا احترام رہا ہے۔

صاحب "مفتاح التواریخ" اور صاحب "مراۃ الخیال" کے مطابق فانی کو ایک رقاصہ پچی نامی سے محبت تھی اور دونوں کے درمیان گہرے دوستانہ مراسم بھی تھے، رقاصہ مذکورہ خوبصورتی اور حسن و جمال میں یکتائے دہر تھی اور امرا کا طبقہ اس کی دل ربائی پر فریفتہ اور شیدا ہو چکا تھا مگر رقاصہ صرف فانی کو دل سے چاہتی تھی اور کسی طرف مائل نہ ہوتی تھی، اس وقت کشمیر کا گورنر ظفر خاں احسن تھا، فانی کے ساتھ اس کے اچھے اور خوش گوار تعلقات تھے، شعر و شاعری کی محفلوں میں ہم نوالہ و ہم پیالہ ہوا کرتے تھے، ظفر نے بھی حکومت اور دوست کو کام میں لاکر رقاصہ کو اپنے دام تزویر میں لانے کے لیے کافی کوشش کی مگر رقاصہ نے یہ سب کچھ ٹھکرا دیا، ظفر خاں یہ سمجھا کہ شاید رقاصہ فانی کی ہدایات کے تحت اس کی محبت کو ٹھکرا رہی ہے، ظفر خاں رقاصہ کے لیے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگا، صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تو جدائی کی حالت میں جل کر ایک غزل میں فانی اور رقاصہ دونوں کی ہجو لکھی ہے[1]

خفتہ را بیدار سازد یادِ داماں پچی — مردہ را در جنبش آرد بوی انباں پچی

لۂ حیض پچی شد شملہ و دستار شیخ — رشتۂ تسبیح او شد بند تنباں پچی[2]

جب یہ اشعار محسن فانی کو ملے تو انہوں نے وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے دہلی کی جانب رخ کیا اور چپ سادھ لی لیکن اس کے باوجود ان کے تعلقات اچھے تھے، فانی ابتدائی ایام میں ظفر خاں کا بڑا مداح رہا ہے۔

و زید باد بہار و نوید یار آمد — بیار بادہ کہ یار آمد و بہار آمد

بدشت لالہ شگفت و بباغ سبزہ دمید — نہال شیشہ و ساغر ببرگ و بار آمد

چو روئ یار ببینی لب پیالہ ببوس — کہ فصل توبہ شکن وصل آں نگار آمد

بہار گلشن کشمیر باز رنگین شد — کہ ابر فیض ظفر خان کامگار آمد

چرا بباغ نبالد صنوبر و شمشاد — کہ آب رفتہ در آغوش جوئبار آمد

[1] مراۃ الخیال، ص ۲۵۵ بحوالہ راشدی، ج ۳، ص ۱۰۴۷۔ [2] مفتاح التواریخ، ص ۲۷۵ بحوالہ راشدی، ج ۳، ص ۱۰۶۴۔



ہزار شکر کر در چار باغ دولت و شکر — دوبارہ نخل تمنائی ما ببار آمد

در ایں بہار ز تائید بخت فانی را — عروس دولت و اقبال در کنار آمد

لیکن جب فانی الٰہ آباد میں تھے تو مندرجہ ذیل غزل لکھ کر ظفر خاں کو بھیجی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فانی کے دل میں کدورت کا غبار موجود ہے اور غزل کا انداز و اسلوب ہی کچھ اور ہے۔

شانہ از ما در قفار مزی بکا کل گفتہ است — ورنہ آں زلف پریشان از چہ رو آشفتہ است

قدر اشک ما نداند کس بغیر از چشم تر — کیں گہر را ہر دم از الماس مژگان سفتہ است

از نگاہ نیم مستت چوں تواں ایمن نشست — فتنۂ بیدار در چشم سیاہت خفتہ است

تا ہوائی سیر گل، در سر فتاد آں سرو را — سبزہ از مژگان تر، گرد گلستاں رفتہ است

بسکہ ہر دم می وزد بادِ امل در باغ دہر — تا ندیداست از چمن گل روئ زر شگفتہ است

خط لب ہم از دہاں تنگ او آگاہ نیست — چشمۂ آب حیات از خضر ہم نہفتہ است

گو ظفر خاں داغ شو امشب کہ فانی ایں غزل — در الٰہ آباد پیش قدر دانی گفتہ است

۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب تخت شاہی پر بیٹھا، اب علما نے پھر محسن فانی اور ملا شاہ کے خلاف آواز اٹھائی، چنانچہ دار الخلافے سے ملا شاہ اور فانی کی طلبی کا پروانہ جاری ہوا لیکن یہ دونوں ان دنوں کشمیر میں کمزور اور بیمار تھے، اس لیے کشمیر کے اس وقت کے گورنر نے لکھا کہ یہ دونوں سفر کرنے کی حالات میں نہیں ہیں، بحالی صحت دونوں کو روانہ دہلی کیا جائے گا، اس طرح کچھ وقت گزر گیا اور اس دوران میں ملا شاہ کے مندرجہ ذیل اشعار جو اس نے اورنگ زیب کی تخت نشینی پر لکھے تھے، اورنگ زیب کو پہنچے۔

صحن دل من چوں گل خورشید شگفت — کآمد حق و غبار باطل رفت

تاریخ جلوس شاہ حق آگہ را — ظل الحق گفت الحق ایں را حق گفت

اس کے بعد اورنگ زیب نے اپنا پہلا حکم منسوخ کر دیا اور فقط یہی لکھا کہ ملا شاہ بہ جائے کشمیر کے لاہور میں قیام کرے، چنانچہ ۱۶۶۰ء کے موسم سرما میں شیخ نے نقل مکان کیا اور لاہور میں سکونت اختیار کر لی[1] فانی نے گوشہ نشینی اختیار کی اور آمد و رفت کا دروازہ خلقت کے لیے

[1] رود کوثر، ص ۴۳۳۔

بند کردیا، فقط چند مخلص امرا، حکام اور مرید گاہے گاہے ملتے اور فانی ان کے ساتھ روحانی تجربات بیان کرتے، ہاں درس وتدریس کا شغل جاری رہا اور توبہ واستغفار کے علاوہ نمازوں میں مصروف رہتے تھے مگر جب ۱۶۶۵ء میں اورنگ زیب کشمیر آیا تو محسن فانی کو بھی اپنے دربار میں طلب کیا اور شاہی خلعت فاخرہ سے نوازا اور دو ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور دیر گئے تک ان کے ساتھ صوفیانہ خیالات کا تبادلہ کرتا رہا[1]۔

فانی نے ۱۰۸۲ھ/۱۶۷۱ء میں سری نگر میں وفات پائی اور اپنے مکان کے صحن میں دفن کیے گئے، کسی نے ان کی تاریخ وفات یوں لکھی ہے:

''رفتہ فانی بعالم، باقی'' سے ۱۰۸۲ھ نکلتا ہے، مفتاح التواریخ میں ان کی تاریخ وفات ۱۰۸۱ھ/۱۶۷۰ء ہے۔

بیابی سال فوتش را چو خوانی محمد محسنؔ مخدوم فانی
چو نامش با تخلص ہمرہ مخدوم بر خوانی شود تاریخ فوت او محمد محسنؔ فانی[2]
(۱۰۸۱)

ان کا مقبرہ خانقاہ دارا شکوہ ملا شاہ عالیکدل اور زینہ کدل کے درمیان گور گاڑی محلہ میں دریائے جہلم کے کنارے پر واقع ہے۔ ع

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

فانی کی اولاد کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دو لڑکیاں تھیں جن میں سے ایک خواجہ قاسم ترمذی کے نکاح میں تھی اور دوسری ملا محمد کاوسہ کے عقد میں تھی۔

فانی کی مثنویات کا مجموعہ جو ''مثنویات فانی کشمیری'' کے نام سے شایع ہوا ہے، ڈاکٹر امیر حسن عابدی نے ایک فاضلانہ مقدمے کے ساتھ شایع کیا، ان میں حسب ذیل چار مثنویاں شامل ہیں:

۱-مثنوی ناز و نیاز، ۲-مثنوی میخانہ راز، ۳-مثنوی مصدر الآثار اور ۴-مثنوی ہفت اختر، فانی کو خمسہ کہنے کی تحریک نظامی سے ملی تھی، چنانچہ انہوں نے مصدر الآثار کے دیباچے میں اس کی

[1] صحف ابراہیم، ص ۲۶۴، الف، بحوالہ راشدی، ج ۳، ص ۱۰۶۴۔ [2] واقعات کشمیر از محمد اعظم دیدہ مری، حاشیہ از محمد شاہ سعادت، ص ۱۷۰۔



طرف اشارہ کیا ہے، فانی کی مثنویوں کے نام کے لحاظ سے بھی نظامی سے مناسبت ہے، مثنوی ''ناز و نیاز'' ایک عاشقانہ داستان ہے جو اپنے عہد کی تاریخی چوکھٹے کے اندر بٹھائی گئی ہے، مقامات اور واقعات کا تذکرہ ایسی قطعیت کے ساتھ کیا گیا ہے کہ اس داستان کے حقیقی ہونے کا شبہ ہوتا ہے، یہ واقعہ اکبر کے عہد کا بتایا گیا ہے، کاپی کے ساتھ سید موسیٰ کے موہنی سے محبت کی داستان دل چسپ ہے، سید موسیٰ موہنی کو خواب میں دیکھنے کا حال فانی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

چو شب برمہ پریشان کرد موی ماہروی بخوابش آمد
بپایش گرچہ بود از زلف زنجیر بقصد صیاد دلہا کہ وہ شب گر
میاں در پیچ و خم چوں مو بہ آتش قد او چوں نہال شعلہ سرکش

آگے موہنی کا سراپا بیان کیا گیا ہے، مثنوی کا یہی انداز ہے اور سلاست اور روانی میں اساتذہ ایران کی خوش گفتاری کا لطف اس کو پڑھنے سے آجاتا ہے:

**دیوان فانی:** حال ہی میں تہران سے انجمن انتشارات ایران و ہند کی کوشش سے شایع ہوا ہے اور ڈاکٹر گردھاری لال نے اسی پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے مگر دیوان فانی اس سے پہلے بھی ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں مطبع محبوب شاہی حیدرآباد دکن سے باہتمام مولوی محمد رحیم اور مولوی موئید الدین شایع ہوا تھا اور یہ دیوان اس قلمی نسخے کے مطابق شایع ہوا تھا جو ۱۰۸۶ھ/۱۶۷۵ء کو مرتب کیا گیا تھا جب کہ فانی کی وفات کو ۶ سال ہو چکے تھے۔

**دبستان مذاہب:** بعض تذکرہ نگاروں نے اس کتاب کو فانی کشمیری کی طرف منسوب کیا ہے اور آج تک متعدد بار شایع ہوتی رہی ہے، سر ولیم جیمز نے پہلی بار یورپ کو اس کتاب سے متعارف کرایا تھا، چنانچہ براؤن اس کتاب کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ رسالہ مذہبوں کے حالات پر مشتمل ہے اور ایک کشمیری مسلمان سیاح محسن فانی کی تالیف ہے، اس کا پہلا باب میوشنگ کے مذہب سے متعلق ہے جو زرتشتی مذہب سے پہلے ظہور میں آیا ہے اور مولف کے زمانے تک ایرانیوں کا پوشیدہ مذہب رہا ہے، اس مذہب کے بعض ممتاز پیرو شاہان ایران کے مظلوم رہے اور بعض نے ہندوستان میں آکر متعدد کتابیں لکھیں، محسن ان کتابوں اور ان کے فیض سے بہ خوبی شناسا تھے، ان سے محسن فانی کو معلوم ہوا کہ کیومرث کی تخت نشینی سے ہزاروں سال پہلے ایران میں سلاطین کا ایک سلسلہ گزرا ہے،

جنہیں "ماہ آبادیاں" کہتے تھے، سات آٹھ تاج داروں کے نام دبستان میں بھی مذکور ہیں، محسن کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایران کی سلطنت دنیا میں سب سے پرانی سلطنت ہے [1]۔

حقیقت یہ ہے کہ "دبستان مذاہب" مغل دور کی ایک معرکہ آرا تصنیف ہے اور اس کے مصنف کے بہت کم حالات معلوم ہیں، یقین سے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون تھا؟ کب پیدا ہوا اور دنیا سے کب چل دیا، البتہ کتاب دبستان مذاہب کے مطالعہ سے اس کے خیالات اور رجحان طبع کا اندازہ ہوسکتا ہے، وہ مذہبی معاملات میں صلح کل کا پیرو اور آزاد خیال تھا اور اسے دوسروں کے عقاید و اطوار جاننے کا غیر معمولی اشتیاق تھا، اس نے دبستان مذاہب میں ایشیا کے تمام مشہور مذاہب کے خیالات اور عقاید جمع کیے ہیں لیکن کوشش کی ہے کہ کوئی ایسی بات نہ لکھی جائے جس کی مذہب متعلقہ کے ماننے والے خود تصدیق نہ کریں، نصف کے قریب کتاب میں پارسی مذہب کے عقاید اور مختلف ہندو فرقوں کے حالات درج ہیں، ایک نہایت دل چسپ باب نانک پنتھیوں یعنی سکھوں کے حالات سے متعلق ہے، کتاب کا مصنف گورو ہرگوبند صاحب کے جاننے والوں میں سے تھا، اس لیے اس نے ذاتی واقفیت کی بنا پر ایسے واقعات درج کیے ہیں جو معاصرانہ تواریخی کتب میں عنقا ہیں لیکن جن سے سکھوں کی ابتدائی تنظیمی کوششوں پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

ایک باب میں ایسے متفرق فرقوں کے حالات درج ہیں جن کا نہ ہندو مذہب اور نہ اسلام سے کوئی خاص تعلق ہے اور جن کے عقاید دیکھنے سے خیال ہوتا ہے کہ عوام بالخصوص خوش اعتقاد اور صوفی نما عوام کے خیالات میں اس وقت کھلبلی مچی ہوئی تھی، بہت عبرت آموز باب بیراگیوں کے متعلق ہے، دبستان میں لکھا ہے کہ ان میں مسلمان بھی داخل تھے اور وہ وشنو کی پرستش کرتے تھے جو مسلمان بیراگیوں میں شامل ہوئے تھے، وہ محض جاہل عوام نہ تھے، کتاب کے آخری اوراق میں اختصار سے عیسائی، یہودی، بدمذہب اور مختلف مسلمان فرقوں مثلاً سنی، شیعہ، صادقیہ، واحدیہ، روشیہ کے خیالات درج تھے، دین الٰہی کے متعلق جو واقعات درج ہیں وہ زیادہ تر بدایونی کی "منتخب التواریخ" سے ماخوذ ہیں لیکن اس سلسلے میں مختلف مذہبوں اور فرقوں کے درمیان ایک مباحثہ درج کیا گیا ہے جو خیالی ہے اور مصنف کے اپنے دماغ کی اپج ہے، اس کے مباحثے کے دوران میں شیعہ، سنی، یہودی،

۱؎ تاریخ ادبیات ایران، ج ۱، ص ۵۴، کیمبرج یونی ورسٹی ۱۹۵۶ء۔



نصرانی اور ہندو عقاید پر بہت کڑے اعتراضات ہوئے ہیں اور سب مذاہب متداولہ کے ترجمان لاجواب ہوجاتے ہیں اور حکیم فلسفی جو حضرت عقیل کا معتقد ہے، سب پر غالب آجاتا ہے، اس بحث سے خیال ہوتا ہے کہ مصنف کسی مذہب سے وابستہ نہ تھا اور ایک آزاد خیال صوفی تھا، ایک مستقل باب میں اس نے ارشادات قرآنی اور اہم احادیث کی تاویل کرکے انہیں عقاید حکما کے مطابق ثابت کیا ہے، آخری باب میں چند ایسے بزرگوں کے حالات درج ہیں جن سے مصنف کی ملاقات ہوئی تھی، سب سے پہلے حضرت ملا شاہ بدخشی کا ذکر ہے، اس سلسلے میں داراشکوہ کو حضرت محی الدین محمد خداوند مکان و مکین و صاحب زمان و زمین جیسا خطاب دیا گیا ہے، جہاں آرا بیگم کا ذکر بھی بڑے احترام سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حضرت ملا شاہ کی غایبانہ مرید تھی، اپنی نسبت ایک جگہ لکھا ہے کہ میں بھی ملا شاہ کا مرید ہوں اور آزاد خیال صوفیوں کے اس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جو داراشکوہ اور اس کے مرشد کے گرد جمع ہوگئے تھے۔

مندرجہ بالا بیانات سے ہی شاید بعض تذکرہ نگاروں کو تسامح ہوا ہے کہ دبستان مذاہب محسن فانی کی کتاب ہے، چنانچہ مورخ حسن لکھتا ہے:

کتاب دبستان مذاہب تصنیف فرمود، می آرند کہ در اوائل بمذہب آزاد بود، و باہر ملت صلح کل می داشت و مذہب حکما را وثوق می داد، اما در آخر عمر بخدمت حضرت میاں محمد امین دار مشرف شدہ، و دست انابت بدامن عاطفت ایشان زدہ، از خیالات باطل درگزشت و عقیدہ کامل بہمرسانید و بعلوم معنوی و تعلیم و تلقین آنجناب بہرہ مند گشت، آنگاہ تا حین حیات در گریہ و زاری و توبہ و استغفار اوقات بسر می برد [1]

مفتی محمد شاہ سعادت "واقعات کشمیر" کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: کتابے ساختہ است دبستان مذاہب متالع ہر یک از جملہ اہل نحل ملل بزبان یک دگر کردہ است، ابتدا راغب بمذہب فلسفہ شد و آخر بوجہ میاں محمد امین دار رجوع بخدا آوردہ ثابت شد۔

ڈاکٹر مرحوم صوفی لکھتے ہیں کہ فانی نے ۱۶۴۵ء میں کتاب "دبستان مذاہب" کشمیر میں پری محل میں لکھی ہے اور اس پر اس زمانے کے تمام عالم ناراض ہوگئے اور اس پر کفر کا فتویٰ صادر کروایا۔

یہاں اس امر کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ کتاب میں کشمیر کے واقعات بھی درج ہیں مگر پھر بھی

۱؎ تاریخ حسن، ج ۳، ص ۳۶۵-۳۷۳ و شعرائے کشمیر، ج ۳، ص ۱۰۶۲۔

ہم یہ کہہ نہیں سکتے ہیں کہ یہ محسن فانی کی تصنیف ہے، ڈاکٹر صابر آفاقی نے بھی دبستان مذاہب کو فانی کی تصنیف قرار دیا ہے، ڈاکٹر امیر عابدی نے مثنویات فانی کے دیباچہ میں ثابت کردیا ہے کہ کتاب دبستان مذاہب فانی کی تصنیف نہیں ہے، فاضل دیباچہ نگار نے فانی کی مثنوی کا اپنا دیباچہ بہ طور مثال پیش کیا ہے، پھر دونوں کی عبارات یعنی دبستان مذاہب اور فانی کے دیباچے کی عبارات میں اسلوب نگارش میں فرق واضح کیا ہے، صاحب ''مآثر الامرا'' کے مطابق یہ کتاب ذو الفقار خان اردستانی کی تصنیف ہے اور اسی کی تائید مولانا شبلی نے بھی کی ہے۔

ڈاکٹر علی رضا ذکاوتی قراگذلو ایران کے ایک جدید مفکر، محقق اور ناقد ہیں، انہوں نے ثابت کردیا ہے کہ کتاب دبستان مذاہب ملا موبد شاہ کیخسرو اسفندیار کی تصنیف ہے جو آتش پرست تھا اور ایران سے صفوی دور میں ہندوستان آیا تھا، ہندوستان میں وہ داراشکوہ، سرمد، ملا شاہ اور ملا محسن فانی کشمیری کے ساتھ گہرے مراسم رکھتا تھا، کتاب دبستان کی پہلی اشاعت ایک انگریز ولیم کی کوشش سے ہوئی ہے، پادری ولیم نے کتاب دبستان مذاہب کی اشاعت میں اس لیے دل چسپی لی ہے تاکہ وہ ہندوستان میں عیسائی مذہب کی برتری دکھا کر لوگوں کو عیسائی بنالے، چنانچہ ولیم پادری کو کسی حد تک اپنے خیال میں کامیابی ہوئی ہے، آقائی رضا زادۂ ملک ایران کے ایک اور مفکر نے علامہ قزوینی اور پورداؤد کے حوالے سے بھی واضح کردیا ہے کہ یہ ملا موبد شاہ کیخسرو اسفندیار کا بیٹا تھا اور زرتشتی مذہب کا حامی تھا، ملا موبد شاہ کتاب دبستان مذاہب کو تدوین کرتے وقت کئی بار کشمیر بھی آیا ہے اور اس نے یہاں کی سیاحت بھی کی ہے، ملا موبد شاہ نے اپنے آپ کو غیر جانب دار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہ کسی خاص مذہب کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار نہیں کرتا مگر دنیا کے قدیم مذاہب میں زرتشتی مذہب کو شمار کرتا ہے اور اس نے اس مذہب کے متعلق تقریباً نصف کتاب وقف کردی ہے جو اس بات کے لیے کافی ثبوت ہے کہ وہ فرقہ زرتشتی کے ساتھ وابستہ تھا۔

فانی نے نجات المومنین کے نام سے نثر میں ایک رسالہ لکھا ہے اور ملا شاہ کی مثنوی پر ایک دیباچہ بھی لکھا ہے، فانی کی شاعری کے بارے میں تمام تذکرہ نویس رطب اللسان ہیں، صحف ابراہیم، نتائج الافکار، صبح گلشن، مراۃ الخیال، تاریخ حسن، تاریخ اعظمی گیزیٹیئر از ڈاکٹر صوفی، تذکرہ ہمیشہ بہار، ریاض الشعرا، مجمع النفائس، گل رعنا، کلمات شعرا، تذکرہ نصر آبادی، تذکرہ



شعرائے متقدمین، ایران صغیر اور عمل صالح وغیرہ نے فانی کی شاعرانہ عظمت وجلال کی برتری کو سراہا ہے، دور جدید کے ایرانی مفکرین میں ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا کے علاوہ دوسرے نقادوں نے بھی ان کی شاعری کی تعریف کی ہے، غنی، اسلم اور محمد زمان نافع جیسے باکمال شاگردوں نے فانی کی شاعری کو اور بھی چمکایا ہے، نتائج الافکار کی روایات کے مطابق فانی کا دور ہندوستان میں شعر وشاعری میں اسلوب کی تبدیلی کا دور تھا اور ایک خاص تحریک کے پیش نظر ادب وشعر میں قدیم اسلوب وروش سے گریز کیا جارہا تھا، اس دور میں شوکت بخاری، فطرت، سلیم، اسلم سالم، غنی صایب، کلیم اور قدسی فغانی، عرفی اور نظیری کے اسلوب فکر سے متاثر ہوکر رنگ تمثیل کے میدان میں کافی آگے بڑھ چکے تھے اور فانی اپنے آپ کو اس تبدیلی سے الگ نہیں رکھ سکتے تھے مگر اس کے باوجود فانی نے اپنی شاعری میں اپنی انفرادی جدت قایم رکھی اور اشعار میں تشبیہ مرکب یا تشبیہ تمثیلی کو اپنایا ہے جو اس دور کا نمایندہ اسلوب ہے اور جس کو ایرانی سبک ہندی قرار دیتے ہیں، ان کے شاگرد غنی اور اسلم سالم نے اس کو عروج پر پہنچایا، فانی بھی اپنے افکار کی تائید کے لیے اچھی اچھی دل نشین تشبیہیں لاتے ہیں ۔

بہ بزم وصل ہم آرام نیست فانی را          ز موج آب نرفت اضطراب در دریا
حسن ذاتی را بہ آرایش نباشد احتیاج          شانہ درکار نبود طرہ شمشاد را

فانی اپنے کلام کے متعلق کہتے ہیں کہ میں گہری سوچ اور فکر کے بعد شعر کہتا ہوں اور میری شعر گوئی میں میرا سوز دروں شامل ہوتا ہے، اس لیے شعر میرے دل سے خودرو پودے کی طرح پھوٹتا ہے اس میں اصلاح کی گنجایش نہیں ہوتی ہے

زکس اشعار فکر من اصلاح نمی خواہد          نباشد احتیاج باغبان گل ہای خود رو را
گر از زبان خامۂ من خون چکد روا است          از خار خار فکر دلم بسکہ خستہ است

فانی کی رائے ہے کہ شعر دل کش بھی ہو اور تاثیر بھی رکھتا ہو، وہ شعر کی ایجابی اور سلبی اثر انگیزی کے بھی قایل ہیں، شعر ان کی نظر میں جان پرور اور ایمان افروز بھی ہوسکتا ہے اور دشمن دین بھی اور باعث ایمان بھی۔

گاہ سخن آب گہی آتش است          گاہ جگر سوز و گہی دل کش است

گاہ کند زندہ و گہہ جان برد      گاہ دہد دین گہہ ایمان برد

فانی کے عشق میں دو پہلو نمایاں ہیں، ایک عشق محکم اور استوار عشق ہے، خالق کائنات یعنی محبوب حقیقی کے ساتھ عشق، وہ عشق جو دل میں آہنگ پیدا کرتا ہے اور آہ و فغان واشک سے یہ عشق لرزہ براندام ہوتا ہے، انسان کے دل میں اضطراب اور تڑپ پیدا کرتا ہے اور یہ وہ عشق ہے جس سے انسان خود پیدا ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی آگاہ کرتا ہے، وہ عشق جس کے رچاؤ سے انسان عین عشق بن جاتا ہے اور وہ بقائے دوام اور حیات جاودانی پالیتا ہے، فانی کے دیوان میں ایسے جذبے کے متعلق احساسات و کیفیات کا مکمل اظہار ملتا ہے اور وہ اپنے کامیاب عشق کا ذکر اسی طرح کرتے ہیں۔

فانی بتن عشق تو ملک بقا گرفت      از سایۂ ہمای گدا پادشاہ بود
من عین عشق گشتم و پروا نمی کنم      لرزد بہ خویش گرچہ زمین و زمان عشق

دوسرا عشق انسانوں کا عشق ہے، وہ عشق جس سے نفسیاتی جذبات کی تسکین ہوتی ہے جس سے محبوب کے قرب، اس کی خوش نودی، اس کے حسن سے دل بستگی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہم نشینی اور بوس و کنار تک محدود ہے، فانی کی غزلیات میں اس قسم کی کیفیات اور احساسات کا بھی اظہار ملتا ہے اور دل نشین انداز بیان کی وجہ سے ہمیں ان کے درست اور سچے ہونے میں شک و شبہ نہیں رہتا، وہ بعض صوفیہ کی طرح عشق مجازی کے قایل تھے اور کہا کرتے تھے کہ وہ عشق بتاں کی وجہ سے بدنام بھی ہیں۔

فانی از عالم فانی نیکو نامی رفت      گرچہ در عشق بتاں از ہمہ بدنام تراست

ذیل کے اشعار سے ان کے محبوب کا تصور ملتا ہے۔

خورشید رخ، زہرہ جبینی پسرا      بر خاتم حسن چو نگینی پسرا
آرام دل و آفت دینی پسرا      سبحان اللہ چہ نازنینی پسرا

عشق مجازی کے متعلق ان کے احساسات کا اندازہ کرنے کے لیے ان کی مندرجہ ذیل غزل پیش کی جاسکتی ہے، جس سے ان کے عشق کی حدود سمجھی جاسکتی ہیں۔

از من شبے رنجیدہ او، تا صبحدم نالیدہ من      بر روی من خندیدہ او، از روی او گل چیدہ من



ہر دو در بزم شراب در صحبت ہم کامیاب      او خوردہ خون می چو آب لعل لبش بوسیدہ من
از آتش رخسار او تا گرم شد بازار او      چوں زلف عنبر باز او فانی بخود پیچیدہ من

فانی جب الہ آباد میں تھے تو وہ ہندوستان کی بہت سی چیزیں پسند کرتے تھے اور بہت سی چیزیں انہیں مرغوب بھی تھیں لیکن اس سے بڑھ کر وہ کشمیر اور کابل کو بہت پسند کرتے تھے، چنانچہ ہندوستان کے متعلق وہ کہتے ہیں۔

بسکہ میروید گل آتش ز آب و خاک ہند      ہر کہ می آید بہ ہندوستان سمندر می شود
بغیر ہند کز و ہست باغ عالم سبز      ہیچ خاک نگر دید تخم آدم سبز
ہوای برشگال ہند خوش آید مرا لیکن      نسیم نو بہار کابل و کشمیر می باید
کہ بکابل یاد فردوس وارم فانی کند      از برای او جہاں آرا و شہر آرا بس است

لیکن وہ کشمیر کو چھوڑ کر ہندوستان میں رہنا نہیں پسند کرتے ہیں۔

کہ ز کشمیرم توان تکلیف سیر ہند کرد      چوں برد کس از حلب در زنگبار آئینہ را

دوسرے صوفیہ کی طرح فانی بھی صلح کل کے حامی اور آزاد مشربی کے موید ہیں۔

کتاب صلح کل گر درس گوید پیر میخانہ      تواں از بادۂ توحید شست اوراق مذہبہا
ز حسن خلق بہر مشربی گوارا باش      بہ شیشہ از لب پیمانہ ہمزبانی کن

آزاد مشربی کے باوجود شرعی عبادات کی پابندی ضروری ہے لیکن وہ عبادات ہی کو سب کچھ نہیں مانتے تھے۔

ایں عبادتہای رسمی خوشمی آید مرا      لیک میدانم کہ کردن خوشتر از ناکردن است
نیست ما روشن دلاں را حاجت طوف حرم      کلبۂ تاریک ما بیت الحرام ما بس است

وحدت الوجودی صوفیہ کی طرح فانی بھی معتقد ہیں کہ اپنی ذات کو خدا کی ذات میں فنا کردو اور ہو بہ ہو وہی ہو جاؤ۔

در ذات دوست محو شوار بایدت کمال      در بحر قطرہ نا شدہ گوہر نمی شود
نخواہی دید حق را تا تو عین حق نخواہی شد      نظر بر حسن پاک از چشم عشق پاک می افتد

جب صوفی ماسوائے اللہ سب کچھ فراموش کر کے اپنی ذات کو خداوند کون و مکان میں

جذب کر دیتا ہے تو وہ بھی وہی ہو جاتا ہے تو پھر چاند اور سورج اور دیگر اجرام فلکی نظام کائنات میں اس کے اشارے سے چلتے ہیں۔

بر سماط چرخ انجم ریزۂ نان من است      قرص مہ بر سفرۂ افلاک از خوان من است
از دل من می برد ہر صبحدم فیض آفتاب      جیب مشرق روشن از چاک گریبان من است
ہست گردان فلک دایم زسر گرادنیم      کار عالم بہتر از حال پریشان من است

یہ مقام حاصل کرنے کے بعد فقیر میں قہرمانہ قوتیں بھی آجاتی ہیں۔

پادشاہ عالم فقریم و ہر سو رو ہنیم      لشکر اقبال ما فوج دعای ما بس است
ما بہر سوی کہ رو آریم فتح از ما بود      گر کسی تیغی علم ساز دعصای ما بس است

پاک باز صوفی کی طرح فانی اولاد آدم کے ساتھ ہمدردی کا سبق دیتے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ اخوت، مساوات رکھنا بھی سکھاتے ہیں، دشمنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، دوسروں کے عیب پر پردہ پوشی کرنے کی تلقین کرتے ہیں، اس قسم کے اخلاق کی تبلیغ ہر جگہ بہت مفید ہے۔

فانی شراب کو اصطلاحی یا مجازی معنوں میں استعمال کرتے ہیں کیوں کہ درویش و فقیر کہاں؟ اور شراب کہاں؟ مگر بعض جگہ وہ شراب اور اس کے لوازم کو ایسے رنگ میں استعمال کرتے ہیں کہ انجان آدمی مغالطے میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

توبہ در پیری نکردم از شراب      بادہ مینوشم شب ماہتاب ہم
ہوای ابر و بزم عیش و روی یار می باید      قدح لبریز و ساقی مست دل ہشیار می باید

البتہ ذیل کے اشعار میں شراب سے شراب معرفت یا شراب عشق مراد ہو سکتی ہے۔

ساقی برای روشنی راہ بے خودی      بر کف گرفتہ است چراغ ایاغ را
فانی احوال سپہر و مہر روشن می شود      ہر سحر از دور جام و گردش مینا مرا
کے توان از میکشی فانی باسانی گزشت      چوں شراب کہنہ مارا ہمدم دیرینہ است

اس خیال سے کہ کہیں کوئی شراب ظاہری نہ سمجھ لے، فانی کو بھی وضاحت کرنا پڑتی ہے۔

ہرگز دلم بجام شراب آشنا نشد      دریای خون بچشمۂ آب آشنا نشد



ہر کہ ما را تہمت صہبا پرستی می کند      از تنک ظرفی ببوی بادہ مستی می کند

مشہور مفکر ابن عربی کا اثر فانی کے کلام میں کہیں کہیں نظر آتا ہے، چنانچہ ابن عربی کے مماثل افکار کا اظہار ذیل کے اشعار سے عیاں ہوتا ہے۔

ما مظہر حسن لا یزالیم ہمہ      آئینہ ذات ذو الجلالیم ہمہ
ایں پست و بلندی کہ شما می بینید      خود عین خدائید و خدا می بینید

منصور نے جو "انا الحق" کہا وہ بھی اسی کا اظہار تھا لیکن ایسا کہنے کی سزا پھانسی بھی ہو سکتی ہے۔

حرف منصور کہ از دولت عشق است بلند      معنیش جز بسر دار نگر دد روشن

فانی نے خود کہا ہے کہ میں نے بادشاہوں اور شاہزادوں کی مدح سرائی کی ہے۔

بسکہ مدح بادشاہ و شاہزادہ گفتہ ام      گاہ شاہی شد تخلص گاہ سلطانی مرا

"بزم تیموریہ" میں ان کا ایک قصیدہ درج ہے جو انہوں نے شاہ جہاں کی تعریف میں کہا ہے، اس قصیدے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کلام میں بڑی رنگینی اور لطافت پائی جاتی ہے، اس قصیدے میں ہندی الفاظ اس طرح استعمال کیے گئے ہیں کہ ان کی وجہ سے قصیدے میں اور زیادہ خوبی پیدا ہوگئی ہے، شاہ جہاں کی فیاضی، کرم گستری اور زر پاشی کے ساتھ ہندوستان کی جو تعریف کی گئی ہے وہ بھی لایق توجہ ہے۔

نو بہار آمد بسیر گلشن ہندوستان      زیبد ار طوطی بجائے پر بر آرد برگ پان
چشم مردم از سواد ہند روشن می شود      کو نیارد کس متاع سرمہ را از اصفہان
در چمن ہر صبح مینا می کند راگ بسنت      نیست طوطی را بجز کلیان چو بلبل بر زبان
بسکہ دارد در چمن میل گرفتاری بسر و      زیبد ار قمری ز طوق خویش بندد آشیان
چپہ می گیرد چو نرگس دست گلچیں را بزر      لالہ می بندد حنا چوں گل بپائے باغبان
گل ز شبنم ہار چنبیلی بگردن افگند      تا تواند شد حریف شاہد ہندوستان
باغ و صحرا سبز شد از فیض ابر نو بہار      شد ہمہ صحن زمین ہمرنگ بام آسمان

فانی نے عمدہ اور اچھی رباعیاں بھی کہی ہیں، ان میں عام رباعی گو شعرا کی طرح پند و نصیحت بھی ہے اور درس و ہدایت بھی مگر ان کا انداز واعظانہ نہیں بلکہ عارفانہ ہے، یہ رباعیاں

اگر چہ تعداد کے لحاظ سے کم ہیں لیکن معنی کے لحاظ سے بہت بلند پایہ اور قابل توجہ ہیں، حق یہ ہے کہ انہوں نے نہایت لطیف اور حکیمانہ خیالات کو رباعیات کے سانچے میں ڈھال کر انہیں موثر انداز میں پیش کیا ہے، ان رباعیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فانی کا دل بعض باتوں سے بہت متاثر تھا اور ان باتوں پر ان کا دل جلتا تھا، وہ ناچار اپنے اندرونی دباؤ سے مجبور ہو کر اپنے ضمیر کی تسکین کے لیے شعر کے دامن میں پناہ لیتے ہیں ۔

در بیش و کم زمانہ، نتواں دل بست — بسر نقش قمار خانہ نتواں دل بست
افسانہ خواب غفلت ما دنیا است — بر خوبی ایں افسانہ نتواں دل بست

در گلشن آئینہ گزاری داریم — باشاہدہ سادہ رو کاری داریم
گہ برگ فشانیم و گہی نخل داریم — ہر روز خزانی و بہاری داریم

از خود رستیم و با خدا دل بستیم — از خلق بریدیم و بحق پیوستیم
بستیم بروی ما سوی اللہ در دل — فارغ شدہ در خانہ خود بنشستیم

در عشق چو لالہ داغ میباید بود — و ز لالۂ داغ باغ میباید بود
ہر سوختہ در سراغ میباید بود — پروانہ ہر چراغ میباید بود

چشمی کہ بود کور، چہ بیدار چہ خواب — بحری کہ شود شود چہ آب و چہ سراب
راہی کہ بود غلط چہ نزدیک چہ دور — عمری کہ رود ہرزہ چہ شیب و چہ شباب

مآخذ: عمل صالح، تذکرہ نصرآبادی، کلمات شعرا، تذکرہ شعرائے متقدمین، مراۃ الخیال، صبح گلشن، مجمع النفائس، مفتاح التواریخ، تاریخ اعظمی، تذکرہ ہمیشہ بہار، ریاض الشعرا، گل رعنا، صحف ابراہیم، نتائج الافکار، تاریخ حسن جلد سوم، ایران صغیر، کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ، کشمیر از ڈاکٹر مرحوم صوفی، نثر دانش، سال چہارم، شمارہ چہارم خرداد، تیر ۱۳۴۳، ہنر و مردم شمارہ ۱۱۲ و ۱۱۳ فروری و مارچ ۱۹۷۲، دیوان فانی مرتب ڈاکٹر گردھاری لال تکو، تذکرہ شعرائے کشمیر راشدی جلد سوم، دبستان مذاہب مرتب کردہ رحیم زادۂ ملک تہران کتب خانہ طہوری، بزم تیموریہ، ید بیضا، مثنویات فانی، دیوان فانی مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء، تاریخ ادبیات ایران جلد از بردان، رود کوثر از اکرام۔



# عہد نبوی ﷺ میں تحریر و کتابت کا رواج

از:- توقیر احمد ندوی ☆

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں تحریر و کتابت کا رواج نہیں تھا، حالاں کہ اس زمانے میں عرب میں بہت سے یہود قبایل آباد تھے جن میں علما و احبار کی بڑی تعداد تھی، ان ہی کی نسبت قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ:

فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَـقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ (بقرہ ۷۹) ان کا برا ہو، جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر کہہ دیتے ہیں کہ، یہ خدا کی طرف سے ہے۔

گو صحابہ کرام عموماً نوشت و خواند سے واقف نہ تھے، تاہم ان میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو لکھنا جانتے تھے اور رسول اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہود کے جو علما اسلام قبول کرتے تھے وہ ان صحابہ کو جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے تعلیم دیتے تھے، اس کے علاوہ اسیران بدر میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان کی رہائی کی شرط یہ قرار پائی تھی کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، پھر آپ پر جو وحی نازل ہوتی تھی اسے لکھنے پر آپ نے کئی حضرات کو مامور کیا تھا، اسی طرح خرید و فروخت اور دین وغیرہ کے معاہدے و معاملات آپ نے لکھ لیے جانے کی ہدایت کی تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَدَايَنۡتُمۡ بِدَيۡنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكۡتُبُوۡهُ (بقرہ ۲۸۲) اے ایمان والو! جب تم کسی متعین مدت کے لیے قرض کا معاملہ کرو، تو اسے لکھ لیا کرو۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کچھ لوگ تحریر و کتابت سے بہ حسن و خوبی واقف تھے، ابتدا میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن و حدیث کے خلط ملط ہو جانے کے اندیشے سے احادیث قلم بند کرنے

☆ رفیق دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔

سے منع کیا تھا جیسا کہ فرمایا: لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحه[1] (قرآن کے مجھ سے کچھ اور نہ لکھو، اگر کسی نے لکھا ہے، تو اسے مٹادے) مگر جب لوگوں میں قرآن وحدیث میں امتیاز کی صلاحیت پیدا ہوگئی تو آپ نے احادیث لکھنے کی اجازت دے دی تھی، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اکتبوا الی من یلفظ بالاسلام من الناس[2] — جو لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں میرے لیے ان کی فہرست تیار کرو۔

یہ روایت بھی ہے کہ:

لما اراد رسول اللہ ﷺ ان یکتب الی الروم قالوا انهم لا یقرؤون کتابا الا مختوما، قال فاتخذ رسول اللہ خاتما من فضة[3] — جب رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کو نامۂ مبارک ارسال کرنا چاہا تو لوگوں (صحابہ) نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ بغیر مہر کے خط نہیں پڑھتے، لہذا آپ نے چاندی کی ایک مہر تیار کروائی۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت قبیلہ قریش کے سترہ اشخاص لکھنا جانتے تھے، ان میں شفا بنت عدویہؓ بھی شامل تھیں، ان ہی نے حضرت حفصہؓ کو بھی لکھنا سکھایا تھا، اسلام کے ابتدائی زمانے میں انصار میں حضرت سعد بن عبادہؓ، منذر بن عمروؓ، ابی ابن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن مالکؓ، اسید بن حضیر بن عدیؓ، بشیر بن سعدؓ، سعد بن ربیعؓ، اوس ابن خولیؓ اور عبداللہ بن ابیؓ وغیرہ لکھنا جانتے تھے، حضرت عبداللہ بن سعید بن العاصؓ زمانۂ جاہلیت سے ہی اس سے واقف تھے، اسیران بدر کے علاوہ ان کو بھی رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے بچوں کو لکھنا سکھانے کا حکم دیا تھا، حضرت عبادہ بن صامتؓ اہل صفہ کو قرآن کی تعلیم کے ساتھ کتابت کی بھی تعلیم دیتے تھے، حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہ کر رقعات اور ٹکڑوں سے قرآن جمع کیا کرتے تھے، غرض عہد نبوی میں تمام اہم امور و معاملات تحریری شکل میں انجام پاتے تھے، اس کے لیے آج کل کی طرح اگرچہ کوئی باقاعدہ شعبہ قایم نہ تھا پھر بھی اس کا پورا التزام تھا اور احتیاط کی بنا پر آپ ہر کام کے لیے دو مخصوص ذمہ دار کاتب مقرر کرتے تھے اور وحی لکھنے والے تو متعدد صحابہ ہوتے تھے اور تحریروں کی حفاظت کا بھی



بندوبست کیا جاتا اور کاتبین اپنی ذمہ داری بہ حسن وخوبی انجام دیتے۔

آپ کے مخصوص کاتبین میں حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ وحی کی کتابت کرتے، ان کی غیر موجودگی میں ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ یہ خدمت انجام دیتے، آں حضرت ﷺ کی ذاتی ضروریات وحوائج کو حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ لکھا کرتے، حضرت معاویہ کو کتابت وحی کا شرف بھی حاصل ہوا، لوگوں کے قرضہ جات اور معاملات وقضایا لکھنے کی خدمت حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت حصین بن نمیرؓ کو تفویض کی گئی تھی، عرب قبایل کے پانی کے چشموں اور انصار کے خاص خانگی امور کی تحریر پر حضرت عبداللہ بن ارقم بن عبد یغوثؓ اور علا بن عقبہؓ مامور تھے، اسی طرح غنایم کے جمع وتقسیم کا باقاعدہ اندراج ہوتا تھا، یہ خدمت حضرت معیقیب بن ابو فاطمہؓ انجام دیتے، حضرت زید بن ثابتؓ کتابت وحی کے ساتھ ساتھ امرا وسلاطین کے نام خطوط اور دعوت نامے بھی لکھتے، ان کاتبوں کی غیر حاضری میں حضرت حنظلہ بن ربیع بن موقعؓ ان کی نیابت کرتے، اسی لیے ان کا لقب "الکاتب" تھا اور یہی آپ کے خاتم بردار بھی تھے، آپ کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ غزوۂ بدر سے پہلے ہی خفیہ طور سے مسلمان ہو چکے تھے اور کفار مکہ کی سازشوں سے تحریر کے ذریعہ رسول اللہ (ﷺ) کو مطلع کیا کرتے تھے[4]۔

نبی کریم ﷺ نے جن صحابہ کرام کو بہ حیثیت کاتب وحی مقرر فرمایا تھا، ان کی تعداد خاصی ہے مگر کتب سیر میں ان کے نام اور تعداد میں اختلاف ہے، تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وحی کو کتابت کے ذریعہ سے محفوظ کرنے کا پورا پورا اہتمام کیا جاتا تھا اور ساتھ ہی قرآن مجید کی ترتیب و تنظیم اور اس کو یکجا کرنے کا بھی مکمل خیال رکھا جاتا تھا، حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں جب ہم لوگ قرآن مجید لکھ لیا کرتے تو آپ اسے پڑھوا کر سنتے اور غلطی درست کرواتے تھے اور اس بات کی خاص طور پر تاکید فرماتے کہ جس ترتیب سے میں تم کو بتلاؤں اسی ترتیب سے لکھو[5]۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت زیدؓ قلم، دوات، کاغذ، چوڑی ہڈی یا پتلے پتلے پتھر لیے رسول اللہ (ﷺ) کے پاس بیٹھے رہتے تھے جب وحی آتی، آپ بولتے اور وہ لکھتے جاتے تھے، کہیں پر گھٹانے بڑھانے کی ضرورت ہوتی تو آپ فرماتے، زید تعمیل ارشاد کرتے تھے، چنانچہ ایک آیت میں جب "غیر اولی الضرر"

کے بڑھانے کی ضرورت ہوئی تو اس کو ہڈی کے شگاف کے پاس لکھا[6] بخاری شریف میں بھی حضرت زید کے نام کی صراحت کے بغیر یہ حدیث موجود ہے[7] امام ترمذیؒ حضرت انسؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ جب ہم قرآن لکھا کرتے تو حضورؐ فرماتے، صعوا ھولاء الآیات فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا و کذا[8] بعض واقعات میں تو مصحف پڑھنے کا ذکر بھی موجود ہے، حضرت عمر فاروقؓ کے قبول اسلام کے سلسلہ میں جمہور علما کا اتفاق ہے کہ جب وہ اپنی بہن کے یہاں پہونچے تو میاں بیوی تلاوت قرآن میں مشغول تھے، ظاہر ہے اس وقت تک جتنا قرآن نازل ہوا تھا وہی مصحف کی شکل میں رہا ہوگا۔

کاتبین وحی کی فہرست میں بیس[20]، چھبیس[26]، اڑتیس[38] اور بیالیس[42] نام ملتے ہیں، ابن سید الناس نے اڑتیس نام درج کیے ہیں اور السیرۃ الحلبیہ میں بیس نام لکھے ہیں، امام بخاری کے یہاں جو نام ملتے ہیں ان میں سعد بن عبید بن نعمان اوسی، ابودرداعویمر بن زید بن قیس، معاذ بن جبل بن عمرو خزرجی، ثابت بن زید بن نعمان خزرجی، ابی بن کعب بن مالک نجاری، عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنھم وغیرہ کے نام شامل ہیں، حضرت معاویہ کے بارہ میں مذکور ہے کہ ان کو ان کے والد ابوسفیان کی درخواست پر مامور کیا گیا تھا[9]

اوپر گزر چکا ہے کہ آں حضرت ﷺ ہمیشہ وحی کی کتابت کرا کر اسے محفوظ کرنے کا پورا اہتمام فرماتے، چنانچہ نزول وحی کے وقت جو کاتب بھی خدمت میں موجود ہوتے اس سے آپؐ اسے لکھا لیا کرتے، لیکن اگر کوئی نہ ہوتا تو کسی کو بلا لیتے، حضرت عثمانؓ کہتے ہیں: کان اذا انزل علیہ الشئی دعا بعض من یکتب[10] اسی طرح بخاری شریف میں حضرت براءؓ کا قول درج ہے، وہ کہتے ہیں جب آیت ''لا یستوی القاعدون'' نازل ہوئی تو رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت زیدؓ کو لکھنے کے لیے طلب فرمایا[11] عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں، ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے قرآن لکھا کرتے تھے[12] اسی طرح حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنھم وغیرہ[13] کے کتابت کردہ چار نسخوں کے علاوہ حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ اور حضرت سعید بن عبیدؓ کے نسخوں کی موجودگی کا پتا چلتا ہے، اگر طبقات ابن سعد سے اس سلسلے کی تمام روایات جمع کر لی جائیں تو معلوم ہوگا کہ عہد نبویؐ میں کم از کم قرآن مجید



کے دس نسخے پائے جاتے تھے[14] جو اس امر کا بین ثبوت ہے کہ تحریر و کتابت کا رواج عہد نبویؐ میں پورے طور پر ہو گیا تھا۔

متعدد صحابہ کرامؓ کے بارہ میں مذکور ہے کہ وہ یادداشت کی کمزوری کی بنا پر آپؐ سے جو کچھ سنتے اسے ضبط تحریر میں لے آتے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، ایک انصاری نے اپنی یادداشت کی کمزوری کی شکایت کی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا: '' استعن بیمینک و او ما بیدہ الخط ''،[15] اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو اور اپنے ہاتھ سے لکھنے کی طرف اشارہ فرمایا، حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں ''میں نے رسول اللہ سے دریافت کیا، ہم آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں اور اسے لکھ لیا کرتے ہیں، اس سلسلہ میں آپ کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: لکھتے رہو، اس میں کوئی حرج نہیں، حضرت انسؓ نے اپنے بچوں سے کہا، اس علم (حدیث) کو لکھ لیا کرو، آپؐ نے اہلِ یمن کے لیے لکھوا کر احکام بھجوائے، اس میں لکھا تھا قرآن صرف پاکی کی حالت میں چھوا جائے، غلام خریدنے سے پہلے آزاد نہیں کیا جا سکتا اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں، مجاہدؒ کہتے ہیں ہم نے عبداللہ بن عمرو کے پاس ایک کتاب دیکھی، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ ''صادقہ'' ہے، حضرت عبداللہ کہتے ہیں اس کو میں نے خود آں حضرت ﷺ سے سنا اور اس میں میرے اور آپ کے درمیان کوئی دوسرا نہیں ہے، حضرت معبد بن ہلال سے منقول ہے جب ہم لوگ حضرت انس سے حدیثوں کے متعلق زیادہ پوچھ گچھ کرتے تو وہ تمام حدیثیں جو ان کے پاس لکھی ہوئی بہ حفاظت رکھی تھیں لے آتے اور کہتے یہ وہ حدیثیں ہیں جن کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھ لی تھیں اور آپ کو سنا کر تصدیق بھی کرالی تھی، حضرت سعد بن عبادہؓ نے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جو کئی پشتوں تک ان کے خاندان کے پاس موجود تھا، جس کا نام ''کتاب سعد بن عبادہ'' تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ نے بھی اپنا اپنا مجموعۂ حدیث مرتب کیا تھا، ان کے علاوہ حضرت سعد بن ربیع بن عمروؓ، حضرت سمرہ بن جندبؓ، حضرت عبداللہ بن ربیعہ بن مرقد اسلمیؓ اور حضرت ابوموسی اشعریؓ وغیرہ نے بھی حدیثیں لکھی تھیں، کنز العمال میں فضائل حدیث میں ایک روایت ہے: قال (رسول اللہ) من کتب عنی اربعین حدیثا رجاء ان یغفر اللہ لہ غفر لہ[16] مستدرک حاکم میں بھی منقول ہے علم کو کتابت میں قید کر لو، حضورؐ کا ارشاد ہے، ''میں تمہارے اندر ایک ایسی

چیز (قرآن) چھوڑ کر جاؤں گا جس کو تم اگر مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے"۔[17]

نبی کریم ﷺ نے جنگ سے متعلق امور و ہدایات بھی قلم بند کرا کے سپہ سالاروں کو بھیجے اور مختلف ممالک کے امرا و سلاطین کے نام تبلیغی خطوط بھی روانہ فرمائے، صلح حدیبیہ کے شرایط اور معاہدوں کی تحریر و کتابت کے ذکر سے سیرت کی کوئی کتاب خالی نہیں، آپؐ جب کسی صحابی کو کسی خطے کا عامل بنا کر بھیجتے تو اسے صدقات و زکوۃ وغیرہ کا نصاب تحریری شکل میں ضرور دیا کرتے، آپؐ نے جب حضرت انس بن مالکؓ کو بحرین کی طرف روانہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے زکوۃ کے متعلق کچھ احکام لکھوا کر ان کو دیے، ان ابا بكر كتب له هذا الكتاب لما وجهه الى البحرين، بسم الله الرحمن الرحيم، هذه فريضة الصدقة التى فرض النبى ﷺ۔[18] مشہور صحابی رسولؐ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کے سوا کسی کے پاس مجھ سے زیادہ حدیث رسول کا سرمایہ نہیں، اس کی وجہ یہ کہ حضورؐ کی تمام باتیں وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا، ما من اصحاب النبى ﷺ احد اكثر حديثا عنه منى الا ما كان من عبد الله بن عمرو فانه كان يكتب ولا اكتب۔[19] امام ترمذیؒ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے، حضرت عمرو بن حزمؓ کو جب نجران کا عامل بنا کر بھیجا تو آپؐ نے ان کے لیے صدقات و دیات اور فرایض و سنن وغیرہ سے متعلق ایک کتاب تحریر کرا کر ان کے حوالہ کی، بہ قول محمد بن شہاب زہری کے یہ کتاب چمڑے پر تحریر تھی اور عمرو بن حزمؓ کے پوتے ابوبکر بن حزم کے پاس تھی جس کو انہوں نے بھی دیکھا اور پڑھا تھا، ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مجمع میں دریافت کیا، کسی کو معلوم ہے کہ آپؐ نے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو کیا دلایا ہے؟ حضرت ضحاک بن سفیانؓ نے جواب دیا، مجھے معلوم ہے حضورؐ نے مجھے یہ لکھوا کر بھیجا تھا، یہ تحریر اشیم نامی صحابی کی بیوی کی وراثت سے متعلق تھی، آں حضرتؐ نے حضرت ابوشاہ یمنیؓ کو فتح مکہ کے موقع پر دیے جانے والے خطبہ کو تحریر کروا کر دینے کا حکم فرمایا تھا۔[20]

مختلف قبایل و افراد کے نام خطوط اور احکام اسلامی بھی لکھوا کر روانہ کیے گئے، جن کی تعداد بے شمار ہیں، ان میں سے بہت سے آج تک موجود بھی ہیں اور وقتاً فوقتاً یہ بحث و گفتگو کا موضوع بنتے رہتے ہیں، نجاشی کے خط کے سلسلہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقم طراز ہیں "ابھی حال میں



حبشی اطالوی جنگ کی ابتدا میں اخباروں نے (ہمدم نے مصر کے اخبار البلاغ اور اس نے ادیس ابابا کے اخبار برہان اسلام سے نقل کر کے) یہ خبر شایع کی تھی کہ نجاشی نے اپنے خزانے سے آں حضرتؐ کا یہ خط جو اب تک محفوظ ہے نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھایا تھا"۔[21] ان ہی کے بہ قول آں حضرتؐ کا ایک مکتوب بنام کسریٰ پرویز بن ہرمز بھی اپنی اصلی حالت میں دریافت ہو چکا ہے، مورخین اور ارباب سیر کا ہمیشہ سے حضورؐ کے خطوط اور حکم ناموں کو محفوظ رکھنے کا رجحان اور معمول رہا ہے، ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے السعیر بن عدا کو جو دستاویز لکھ کر دی تھی وہ ان کے بیٹے ابن سعد کے سلسلہ رواۃ میں یحییٰ بن سلمان کو دکھائی تھی، عبد الله بن يحيى بن سلمان قال، ارانى ابن لسعير بن عدا كتابا من رسول الله ﷺ، اسی طرح سے رسول اللہ (ﷺ) نے مہری بن الابیض کو ایک دستاویز دی تھی وہ بھی اب تک ان کے قبیلے کے پاس موجود ہے۔[22] بنی عقیل کے ایک شخص نے اپنی قوم کے بڑے بوڑھوں کے حوالہ سے ہشام بن محمد بن السایب الکلبی کو بتایا کہ مطرف بن عبداللہ وغیرہ بنی عقیل کا وفد لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آں حضور ﷺ نے سرخ چمڑے پر ایک تحریر لکھوا کر مطرف کے حوالے کی جو ان کے پاس موجود تھی، اسی کی رو سے اس قبیلے کے افراد کو العقیق میں جاگیر ملی تھی، ربیع الاول ۳ھ میں کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کے بعد حضور ﷺ نے یہود سے جو معاہدہ فرمایا تھا، وہ بعد میں حضرت علیؓ کے پاس موجود تھا۔

آں حضرت ﷺ نے حکمرانوں کے نام جو خطوط روانہ کیے، ان میں دحیہ بن خلیفہؓ کے ہاتھ قیصر روم ہرقل کے نام نامہ مبارک بھیجا جو حاکم بصری کے توسط سے ہرقل کو موصول ہوا، اس کے بعد جو طویل واقعہ پیش آیا وہ احادیث و تواریخ کی کتابوں میں بہ تفصیل محفوظ ہے، شہنشاہ ایران کسری بن ہرمز کے نام آں حضرت ﷺ نے عبداللہ بن حذافہؓ کے ہاتھ پیغام اسلام بھیجا، عبداللہ بن حذافہؓ کہتے ہیں، میں نے اسے رسول اللہ (ﷺ) کا نامہ مبارک دیا تو اسے پڑھ کر سنایا گیا (سننے کے بعد) کسری نے خط لے کر پرزے پرزے کر دیا، جب میں نے رسول اللہ (ﷺ) کے سامنے یہ بات بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللهم مزق ملكه،[23] ذی قعدہ ۶ھ میں رسول اللہ (ﷺ) نے حاطب بن بلتعہؓ کو اسکندریہ کے والی مقوقس کے پاس اسلام کی دعوت دینے کے

لیے روانہ فرمایا تو اس کے نام ایک خط تحریر فرمایا، اس نے خط پڑھ کر کلمہ خیر کہا اور خط کو ہاتھی دانت کے ڈبے میں مہر بند کرادیا اور حضور ﷺ کو تحریری جواب دیا، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق یہ خط اور بحرین کے صوبہ دار منذر بن ساوی کے نام جو خط آپ ﷺ نے تحریر فرمایا تھا، ان کی بھی اصل کاپیاں دست یاب ہوچکی ہیں[۲۴] شجاع بن وہب الاسدی الحارث بن ابی شمر الغسانی کے پاس نامہ مبارک لے کر گئے، المنذر بن ساوی عبدی کو العلا بن الحضرمی نے نامہ مبارک پیش کیا، سلیط بن عمرو العاصی یمامہ کے گورنر ہوذہ بن علی الحنفی کے پاس گئے، اسی طرح نبی کریم ﷺ نے مختلف قبیلوں (جبلہ بن الایہم، ذی الکلاع، ربیعہ بن ذی مرحب، اہل یمن، اہل نجران، اہل ہجر، حصین بن اوس الاسلمی، خالد بن ضماد الازدی، زیاد بن الحارث، یزید بن الطفیل، عاصم بن الحارث، قیس بن الحصین اور قنان بن ثعلبہ وغیرہ) کو نامہ مبارک کے ذریعہ دعوت اسلام اور اسلامی احکام وشرائع بھیجے۔

ان کے علاوہ آپ ﷺ نے متعدد افراد کو بھی مختلف تحریریں عطا فرمائیں، مسلم بن حارثؓ تمیمی کو کچھ وصیتیں لکھائیں جو مہر کر کے انہیں مرحمت فرمائی تھی، حضرت معاذ بن جبلؓ کے صاحب زادے کے انتقال پر تعزیت نامہ لکھوا کر روانہ فرمایا، بنو زہیر بن اقیش کو بہ شرط اسلام ایک امان نامہ چرمی ٹکڑے پر تحریر کرا کر دیا، وایل بن حجرؓ کو ان کے اپنے وطن (حضر موت) واپسی پر تین تحریریں مختلف مسایل پر مشتمل عطا فرمائیں، عبداللہ بن حکیمؓ صحابی کے پاس ایک تحریر تھی جس میں مردہ جانوروں کے متعلق احکام تھے، حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس سبزیوں کی زکوۃ پر ایک تحریر تھی، حضرت رافع ابن خدیجؓ کے پاس آپ ﷺ کی ایک تحریر تھی جس کے مطابق مدینہ منورہ بھی مکہ مکرمہ ہی کی طرح حرم ہے۔

غرض کہ آں حضرت ﷺ نے جو خطوط، حکم نامے، صلح نامے اور انفرادی تحریریں مختلف اوقات میں متعدد سلاطین وقبایل اور عمال کے نام روانہ کی تھیں، ان کی تعداد بے شمار ہے، صرف خطوط اور دعوت ناموں کی تعداد ڈھائی سو سے زیادہ بتائی جاتی ہے، یہ تمام تحریریں اس بات کی شاہد ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں تحریر سے لوگ نامانوس اور ناآشنا نہ تھے، ابتدا ہی سے صحابہ کرام میں اس کا باقاعدہ رواج بھی ہوگیا تھا اور وہ اس سے مکمل طور سے فایدہ بھی اٹھاتے تھے۔



## حوالے وحواشی


۱؎ صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب التثبت فی الحدیث و حکم کتابۃ العلم۔ ۲؎ صحیح بخاری، کتاب الجھاد، باب کتابۃ الامام الناس۔ ۳؎ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب اتخاذ النبی ﷺ خاتما لما اراد ان یکتب الی العجم۔ ۴؎ تدوین سیر ومغازی، ص ۱۱۲، قاضی اطہر مبارک پوری، شیخ الہند اکیڈمی، دیوبند، ۱۴۱۰ھ۔ ۵؎ مجمع الزواید، کتاب العلم، باب عرض الکتاب بعد املائہ۔ ۶؎ مسند احمد بن حنبل، ۱۹۱/۵۔ ۷؎ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب لا یستوی القاعدون۔ ۸؎ ترمذی، ابواب التفسیر، باب من سورۃ التوبہ۔ ۹؎ شرح زرقانی علی المواھب، ۳۸۶/۳۔ ۱۰؎ ترمذی، ابواب التفسیر، باب من سورۃ التوبۃ۔ ۱۱؎ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب لا یستوی القاعدون و ترمذی، ابواب التفسیر، باب ما جاء آیۃ لا یستوی القاعدون۔ ۱۲؎ سنن دارمی، ص ۶۸۔ ۱۳؎ صحیح بخاری، کتاب فضایل القرآن، باب القرأ من اصحاب النبی ﷺ، ایک روایت میں ابی بن کعبؓ کی جگہ ابوالدردا کا نام ہے۔ ۱۴؎ کتاب الطبقات الکبیرات، ذکر من جمع القرآن علی عھد رسول اللہ ﷺ۔ ۱۵؎ ترمذی، ابواب العلم باب ما جاء فی الرخصۃ فیہ (الکتابۃ)۔ ۱۶؎ کنز العمال، ۲۲۳/۵، کتاب العلم، الفصل الاول فی روایۃ الحدیث و آداب الکتابۃ۔ ۱۷؎ سنن ابوداؤد، ۲۶۴/۱۔ ۱۸؎ صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ الغنم۔ ۱۹؎ ایضاً، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم و ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی الرخصۃ فیہ (الکتابۃ)۔ ۲۰؎ ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی الرخصۃ فیہ (الکتابۃ)۔ ۲۱؎ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۶۹، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور۔ ۲۲؎ طبقات ابن سعد، ۲۸۲/۱، ۳۵۹۔ ۲۳؎ صحیح بخاری میں نام کی صراحت کے بغیر منقول ہے، کتاب العلم، باب مایذکر فی المناولۃ وکتاب اھل العلم بالعلم الی البلدان۔ ۲۴؎ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۰۳۔


❀❀❀

# مولانا ابوالکلام آزاد کی تاریخی بصیرت

از:- ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ☆

مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۵۸ء) کی شخصیت متنوع اوصاف و کمالات سے متصف تھی، تفسیر، تہذیب، تحقیق و تنقید، تاریخ و تعلیم، شعر و ادب، خطابت و صحافت، سیاست، غرض علم و فن کا کون سا میدان اور گوشہ ایسا ہے جس میں ان کے فضل و کمال کے تابندہ نقوش ثبت نہیں، ان کا شمار عبقری اور ممتاز ترین اشخاص میں ہوتا ہے لیکن اس جامعیت کے ساتھ ان کی انفرادیت بھی نمایاں ہے۔

ان کی انفرادیت کے متعدد اسباب و محرکات ہیں، ان میں سب سے اہم اور بنیادی سبب ان کی تاریخی بصیرت ہے جس سے انہوں نے اپنی تمام مذہبی، تفسیری، علمی و ادبی، تعلیمی، سیاسی اور صحافتی کاوشوں میں کام لیا، واقعہ یہ ہے کہ اگر ان کی تحریروں سے ان کے تاریخی شعور اور تاریخی مباحث کو علاحدہ کردیا جائے تو غالباً وہ اپنی مخصوص انفرادی شان سے بھی جدا ہو کر رہ جائیں گے۔

مولانا آزاد عام معنوں میں مورخ نہ تھے، لیکن وہ تاریخ، اس کے رموز و نکات اور اس کی اہمیت و افادیت سے بہ خوبی واقف تھے، تاریخ کا انہوں نے بہ طور خاص مطالعہ کیا تھا، انہوں نے اپنی خود نوشت میں لکھا ہے کہ "میں تاریخ اور فلسفے کا خاص طور سے مطالعہ کرتا رہا"[۱] اس مطالعے نے بالآخر ان میں ایسا رچا ہوا پختہ تاریخی شعور پیدا کردیا جو ان کی تمام کاوشوں کا حصہ بن گیا، تاریخ کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ قیاس و ظن اور شخصی رایوں کے پریشان مجموعے کا نام ہے،[۲] مگر یہی اوراق پریشاں ان کے خیال میں بصیرت و دانائی کا ذریعہ ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"دنیا میں سب سے پہلے انسان کے آگے تاریخ یعنی دنیا کے گزرے ہوئے واقعات آتے ہیں اور ان ہی سے انسان تجربہ کی دانائی اور بصیرت حاصل کرتا ہے، وہ

☆ ادب کدہ، مہراج پور، انور گنج، اعظم گڈھ۔



دیکھتا ہے کہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے واقعات ظاہر ہوئے، ایک ہی طرح کے اعلانات کیے گئے، ایک ہی طرح کی حالتیں طاری ہوئیں اور ایک ہی طرح کے نتیجے نکلے، پس تجزیہ اور استقرا اسے بتلا دیتا ہے کہ اب بھی ہمیشہ جب کبھی ویسی حالتیں پیدا ہوں گی تو ویسے ہی نتائج نکلیں گے اور اگر آگ کے شعلوں نے ہمیشہ انسان کے جسم کو راکھ کیا ہے تو ایسا کبھی نہ ہوگا کہ آگ کے شعلوں میں کود کر کوئی ٹھنڈک پائے"[۳]

تاریخ اسی وقت مصدر بصیرت و دانائی ہے جب وہ اپنی اصلی صورت میں باقی ہو، ورنہ وہ تخریب کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے، مولانا کا خیال تھا کہ تاریخ میں غلط بیانی یا اس کی غلط ترجمانی سے اتحاد و اتفاق کے بہ جائے انتشار، تصادم اور منافرت پیدا ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"تاریخ کی غلط تعلیم نے انسان کو تقسیم کردیا ہے، ہماری موجودہ تاریخی کتابوں میں بتایا جاتا ہے کہ انسان مختلف نسلوں اور قوموں سے تعلق رکھتے ہیں، پھر ان اقوام کی داستان میں باہمی تصادم پر زور دیا جاتا ہے اور مختلف گروہوں میں نفرت اور منافرت کو پیش کیا جاتا ہے، ناگزیر ہے کہ اس طرح جو تاریخ پڑھائی جائے گی اس سے ذہنی تنگی اور تصادم پیدا ہوگا، مطمح نظر محدود ہوجائے گا اور بچے کے ذہن میں علاحدگی کا احساس پرورش پانے لگے گا"[۴]

وہ اس بات سے رنجیدہ تھے کہ انگریزوں نے منافرت پیدا کرنے کے لیے تاریخ میں دروغ بیانیوں اور غلط کاریوں کو روا رکھا، چنانچہ جب ایلیٹ کی مورخانہ تدلیسات کا جائزہ لیا گیا اور اس کے مضمرات کی نشان دہی کی گئی تو انہوں نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔[۵]

مولانا آزاد کی شخصیت میں قومی یکجہتی، جذباتی ہم آہنگی اور انسان دوستی کے جو جذبات موجزن تھے وہ بھی ان کے بلند تاریخی شعور ہی کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے، ضیاء الحسن فاروقی نے مولانا آزاد کے اسی طرز فکر کو ہیومنزم (Humanism) سے تعبیر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"مذہب، فلسفہ، شعر و ادب، فکر و فن اور تاریخ عالم پر مولانا کی نظر گہری تھی، اسی نظر سے ان پر یہ حقیقت کھلی تھی کہ اعلا تہذیبی و انسانی قدریں کسی خاص قوم کی امانت نہیں، یہ سب کی ہیں اور ان کی خدمت دنیا کی تمام متمدن اقوام نے تاریخ انسانی کے

مختلف ادوار میں اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق کی ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے،
اس طرح اس تاریخی نظر کی یہ دولت انسان دوستی سے متعلق ان کا جو فکر بنا اسے ہم ہیومنزم
سے تعبیر کر سکتے ہیں''۔[6]

ابتدائی دور میں انہوں نے جو رسایل و جراید نکالے ان کے ذریعہ وہ اور کاموں کے ساتھ خدمت تاریخ کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے، ۱۹۱۱ء میں ''المصباح'' جاری کیا، علم وادب کے ساتھ خدمت تاریخ بھی اس کے اجرا کے مقاصد تھے، چنانچہ جب تک یہ رسالہ نکلا اس کے چند صفحات تاریخ وسوانح کے لیے مختص رہے، اسی طرح ''لسان الصدق'' کے چار مقاصد میں ایک مقصد تاریخی مضامین کی اشاعت بھی تھا، جناب عبدالقوی دسنوی کے بہ قول اس رسالے نے جن چار مقاصد کا ابتدا میں اعلان کیا تھا، اس پر سختی سے کاربند رہا۔[7]

ماہنامہ ''الندوہ'' لکھنؤ اور ''وکیل'' امرت سر کے بعد انہوں نے اپنا مشہور جریدہ ''الہلال'' جاری کیا، جو ان کی علمی وصحافتی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اس نے خاص طور پر جدو جہد آزادی کو نیا رخ اور مسلمانوں کو عزم وحوصلہ عطا کیا، ''الہلال'' کے ذریعہ بھی انہوں نے تاریخ وتہذیب کی بڑی خدمت کی، اس میں متعدد موضوعات تاریخ پر مضامین ومقالات شایع ہوئے، کچھ مولانا کے قلم سے اور کچھ دوسروں کی نگارشات کی شکل میں۔

''الہلال'' میں تاریخ کی بعض اہم کتابوں مثلاً مآثر الامرا، سروآزاد، تاریخ کبیر، علم الآثار مصر وغیرہ پر تنقید وتبصرے بھی مولانا آزاد کی تاریخ سے دل چسپی کے مظاہر ہیں، جدید اثری تحقیقات سے متعلق بھی متعدد مضامین ''الہلال'' میں شایع ہوئے ہیں، اصلاً مولانا آزاد کو جدید اثری تحقیقات سے ابتدا ہی سے بڑی دل چسپی تھی، خدنگ نظر میں بھی انہوں نے اس موضوع پر کئی مضامین لکھے تھے، ان کا خیال تھا کہ آثار قدیمہ قدیم تاریخ وتہذیب کا سب سے اہم اور بنیادی ماخذ ہے اور اسی کے ذریعہ قدیم تاریخ وتہذیب مرتب شکل میں استناد کے ساتھ پیش کی جاسکتی ہے[8]، یہی وجہ ہے کہ جب کبھی انہیں موقع میسر آجاتا تو وہ آثار قدیمہ کے مطالعے ومشاہدے سے بھی گریز نہ کرتے۔

مولانا آزاد نے نہ صرف تاریخ اسلام کا گہرائی وگیرائی سے مطالعہ کیا تھا بلکہ وہ عالمی



تاریخ پر بھی گہری اور ماہرانہ نظر رکھتے تھے، قدیم تہذیبوں کی تاریخ کا بھی انہوں نے بہ نظر غایر مطالعہ کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر تحریر وتقریر حتی کہ خطوط سے بھی ان کی تاریخی بصیرت نمایاں طور پر سامنے آتی ہے، ''غبار خاطر'' کے خطوط ادب وانشا کا شاہ کار ہیں لیکن ان خطوط میں بھی متعدد تاریخی مباحث آگئے ہیں، قلعہ احمد نگر کی تاریخ ہو یا جہاں گیر، شاہ جہاں، داراشکوہ اور عالم گیر کے عہد کے واقعات، غبار خاطر میں ان کا ذکر ایسے تاریخی انداز واسلوب میں ہے کہ بے ساختہ ان کی تاریخ دانی پر تحسین وآفرین کے کلمات نکل پڑتے ہیں، عالم گیر کے زین آبادی سے معاشقے کی داستان اس دل چسپ انداز میں قلم بند کی ہے کہ تاریخ کے طالب اسے نظر انداز نہیں کر سکتے، متعدد مورخین اور اہل قلم نے عالم گیر کے اس معاشقے کا انکار کیا مگر مولانا آزاد نے اس کی پوری تفصیل لکھ کر عالم گیر کی زبان سے خود اپنے احساس کی بھی غمازی کر دی کہ ؎

گزر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر بھی[9]

''غبار خاطر'' ہی کی طرح ''کاروان خیال'' اور بعض دوسرے مکاتیب کے مجموعوں کے بارے میں بھی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ تاریخ کے مباحث سے لبریز ہیں، ان کے خطبات میں بھی تاریخ کے عناصر پوری طرح جلوہ گر ہیں، حتی کہ مذہبی کتابوں اور مضامین میں بھی ان کا تاریخی شعور ان کا رفیق قلم ہوتا ہے، مثلاً جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد ان کا ایک مذہبی رسالہ ہے مگر اس مذہبی بحث میں بھی انہوں نے تاریخ ہی سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ مساجد میں غیر مسلموں کا داخلہ ممنوع نہیں، انہوں نے تاریخ سے عہد نبویؐ میں یہود ونصاریٰ کے ان وفود کا ذکر کیا ہے جنہیں آپ ﷺ نے مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا، پروفیسر خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں واقعہ یہ ہے کہ ''مولانا آزاد کا تاریخی شعور خون زندگی کی طرح ان کی ہر تحریر وتقریر میں دوڑتا نظر آتا ہے''۔[10]

تاریخ اسلام سے ان کی حد درجہ بڑھی ہوئی دل چسپی کے متعدد شواہد پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے، علما کو میدان عمل میں سرگرم عمل ہونے کی دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ حضرت سعید بن المسیب کو دیکھیے کہ حکام کے جور کے حکم سے ان کی

پیٹھ پر درّے لگائے جارہے ہیں مگر ان کی زبان صدق بیان اعلان حق میں پہلے سے زیادہ سرگرم ہوگئی ہے، آپ مدینے کی گلیوں میں حضرت مالک بن انس کو دیکھیے ان کی مشکیں کس زور سے کس دی گئی ہیں کہ بازو اکھڑ گئے ہیں اور اوپر سے پیہم تازیانے کی ضربیں پڑ رہی ہیں، آپ امام احمد بن حنبل کو دیکھیے کہ نو جلاد یکے بعد دیگرے تازیانے لگا رہے ہیں، پیٹھ زخموں سے چور چور ہوگئی ہے، تمام جسم خون سے رنگین ہو چکا ہے''۔[۱۱]

اس سلسلے کی ان کی دوسری اہم کاوش ان کی مشہور کتاب تذکرہ ہے جو رانچی کی نظر بندی کی یادگار ہے، اس میں اگرچہ مولانا آزاد نے اپنے پردادا شاہ محمد افضل کے مادری سلسلے کے بزرگ شیخ جمال الدین دہلوی کے حالات و سوانح، ان کی علمی و دینی خدمات کی تاریخ قلم بند کی ہے تاہم اس میں متعدد علما و مشائخ کے حالات و سوانح، بعض دینی تحریکات اور معاشرتی واقعات کا ذکر اس انداز میں کیا گیا ہے کہ اس سے شیخ جمال الدین دہلوی کے عہد کی مذہبی اور تہذیبی تاریخ کا پورا مرقع سامنے آجاتا ہے، تذکرہ کو ہم مولانا آزاد کی تاریخی بصیرت کا ایک اعلا نمونہ قرار دے سکتے ہیں، اس کے بارے میں شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ:

''تذکرہ کئی لحاظ سے ان کی بہترین تصنیف ہے، اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایک ایسے شخص کی لکھی ہوئی ہے جو دنیائے اسلام کی ذہنی اور مذہبی تاریخ سے پوری طرح واقف ہے اور ان تمام تحریکوں اور شخصیتوں سے باخبر ہے جنھوں نے مسلمانوں پر اچھا یا برا اثر ڈالا، مولانا کی اس خوبی کی وجہ سے نہ صرف ہمیں چند نہایت بلند پایہ تصانیف بہم پہنچیں بلکہ ایک ایسی مثال قایم ہوگئی جس کی تھوڑی بہت پیروی دوسرے بزرگ بھی کرتے ہیں''۔[۱۲]

مولانا آزاد کے بلند پایہ تاریخی شعور کے اس اعتراف کے باوجود شیخ محمد اکرام نے تذکرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے ہماری تاریخ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ تذکرہ کا قوم کے مذاق تذکرہ نگاری پر بڑا ناخوش گوار اثر پڑا[۱۳]، شیخ محمد اکرام کے اس خیال سے اتفاق اس لیے نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ کسی تاریخ و تذکرے میں چند تسامحات کا راہ پا جانا چنداں اہم نہیں اور نہ اس سے فن کی عظمت داغ دار ہوتی ہے، مثلاً آب حیات میں تلاش و



تفحص سے متعدد تسامحات محققین نے دکھلائے ہیں لیکن کون ہے جو آب حیات کی عظمت کا معترف نہیں۔

مولانا آزاد چوں کہ کئی زبانوں سے واقف تھے اس لیے دوسرے ملکوں اور زبانوں میں اسلامی تاریخ اور علوم سے متعلق جو تحقیقات شایع ہوتی تھیں یا ان زبانوں میں جو سرمایہ تھا ان پر بھی ان کی نظر تھی، مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ ''یورپ کی زبانوں خصوصاً جرمن میں اسلامی تاریخ و علوم کے متعلق مفید چیزیں موجود ہیں''۔[۱۴]

جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مولانا آزاد کو قدیم تاریخ و تہذیب سے خاص دل چسپی تھی اور اس کا انھوں نے بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیا تھا، ان کے امتیازات و خصوصیات اور ترقی و تنزل کے اسباب بھی ان کی نظر میں تھے اور ان کے بارے میں بہت واضح رائے رکھتے تھے، قدیم ایرانی تہذیب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تاریخ عہد قدیم کی تاریکی ہمیں کچھ نہیں بتلاتی کہ وہ عظیم الشان ایرانی جنھوں نے اصطخر کی عظیم الاثر محرابیں بنائیں اور اپنی روایتوں کے اندر دیووں سے لڑے اور تمام بحر و بر کو تخت ایران کے آگے سربسجود دیکھا، دنیا میں کیوں نمایاں ہوئے تھے اور دنیا نے ان سے کیا پایا، البتہ دریائے فرات کے کنارے کے وحشت ناک تودے اور کہیں کہیں سے ابھر کر آجانے والی شکستہ دیواریں اپنے اندر ایک تاریخی عمل ضرور رکھتی ہیں اور ایران کا سب سے بڑا کارنامہ یہ بتلاتی ہیں کہ عہد قدیم عظیم الشان کشور تمدن یعنی بابل پر خوف ناک درندوں کی طرح چڑھ آئے اور اس کی عجیب الصناعہ دیواروں کے نیچے بربادی اور تباہی نے ان کے مقصد ظہور پر نوحہ پڑھا''۔[۱۵]

بابل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''پھر وہ بابل (جو ایرانیوں کی خوں خواری پر نوحہ خواں ہے) دنیا میں کس غرض سے آیا تھا اور کیا کرگیا، یہ سچ ہے کہ اس نے معلق باغ بنائے جو بڑے ہی عجیب تھے اور آج بھی عجیب سمجھے جاتے ہیں لیکن اس کے تمدن و انسانیت نے ان باغوں کے ساتھ کیا کیا جو کچھ عجیب نہ تھے لیکن باغبانی دنیا کے ہزار ہا برسوں کی محنت کی کمائی تھی،

ہول ناک بخت نصر کا تاراج کن سیلاب جب شام میں پھیلا ہے تو یروشلم (بیت المقدس) کی زمین کا چپہ چپہ شادابی و سرسبزی کا بہشت تھا لیکن بابل کے فرزند وہاں اس لیے آئے تھے کہ زندگی کی شادابی جگہ آگ کے حرفوں کے نقشوں میں اپنے ظہور کا مقصد لکھ جائیں''۔[۱۶]

اسی طرح وہ رومیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہم نہیں جانتے کہ روم کے ہول ناک فاتحوں کا جن کے سر پر تمدن قدیم کا سب سے زیادہ درخشاں چاند نظر آتا ہے کیا مقصد تھا؟ مگر ہم نے شمالی افریقہ میں کئی میلوں تک پھیلا ہوا ایک تودہ دیکھا ہے جس کے اندر کارتھیج کی دیواروں کی ٹوٹی ہوئی اینٹیں نکلتی رہتی ہیں اور ایران و شام کی خاک کے ذرّے کہتے ہیں کہ ہمیں سب سے زیادہ خون ان ہی رومی تلواروں کی لعنت سے نصیب ہوا''۔[۱۷]

قدیم مصری تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہم کو نہیں معلوم کہ عظیم الشان مصری دنیا میں کیوں آئے تھے لیکن ہم نے ہیروغلیفی نقوش کے اندر پڑھا ہے کہ انہوں نے بڑی بڑی قوموں کو غلام بنا کر ذلیل و خوار کیا، ان کو عجیب عجیب طرح کے آلہ ہائے تعذیب کے شکنجوں میں کسا، جن کی تصویریں منی فس کے مندر میں دیکھ کر ہم اشک آلود ہیں''۔[۱۸]

ان اقتباسات تاریخ سے قدیم تہذیبوں کے بارے میں مولانا آزاد کے نقطۂ نظر کے ساتھ عالمی تاریخ کے نشیب و فراز اور ان کی امتیازی خصوصیات سامنے آجاتی ہیں، تاریخ عالم پر مولانا کی نظر کس قدر گہری تھی اور اس سے وہ کس طرح زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف موقعوں میں کام لیتے تھے، اس کی واضح مثال ان کا وہ بیان ہے جو انہوں نے عدالت کے کٹہرے میں دیا تھا اور جو قولِ فیصل کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے، عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تاریخ عالم کی سب سے بڑی ناانصافیاں میدان جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں میں ہوئی ہیں، ہم اس میں حضرت مسیح جیسے پاک انسان کو دیکھتے ہیں جو اپنے عہد کی اجنبی عدالت کے سامنے چوروں کی طرح کھڑے کیے گئے، ہم کو اس میں سقراط نظر آتا ہے، جس کو صرف اس لیے زہر کا پیالہ پینا پڑا کہ وہ اپنے ملک کا سب سے زیادہ سچا انسان تھا، ہم کو اس میں فلارنس کے فداکار حقیقت گلیگلیو کا نام بھی ملتا ہے''۔[۱۹]



قدیم تاریخ و تہذیب سے متعلق مولانا آزاد کا سب سے اہم تاریخی کارنامہ ترجمان القرآن میں اصحابِ کہف، رقیم اور ذوالقرنین سے متعلق تحقیقات ہیں، غالباً مولانا آزاد پہلے مفسر ہیں جنہوں نے ان تاریخی مباحث پر جدید اثری تحقیقات اور اکتشافات کی روشنی میں مفصل بحث و تحقیق کی ہے۔

قرآن پاک میں اصحاب کہف کے واقعہ کا ذکر ہے لیکن یہ تعین نہیں کہ اصحاب کہف کا واقعہ کہاں پیش آیا اور رقیم سے کیا مراد ہے؟ کہف کے سلسلے میں مفسرین نے مختلف آرا کا اظہار کیا ہے، بعض ایک پہاڑی کہہ کر گزر گئے ہیں اور بعض نے محض کسی پہاڑ کے نام پر اکتفا کر لیا ہے لیکن یہ سوال کہ یہ واقعہ کہاں پیش آیا، حل نہیں ہو سکا، مولانا آزاد نے ایک طویل مورخانہ بحث کی ہے اور جدید تحقیقات کی روشنی میں ثابت کیا کہ عمان کے قریب جو پہاڑیاں واقع ہیں ان میں بے شمار کہف یعنی غار ہیں، اس میں ایک ایسا کہف بھی ہے جو قرآن پاک کے بیانات کے مطابق ہے۔

اسی طرح الرقیم کی بھی بحث ہے، بعض ائمۂ تابعین نے اسے ایک شہر بتایا تھا لیکن چوں کہ عام طور سے اس نام کا کوئی شہر موجود نہ تھا اس لیے بعض مفسرین نے اس کی طرح طرح سے تاویل و توجیہ کی، بعض نے اس کا مطلب کتاب سے نکالا تو بعض نے اس سے کتبہ اور کتابت کا مفہوم متعین کیا مگر مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ:

''اگر انہوں نے توراۃ کی طرف رجوع کیا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ رقیم وہی لفظ ہے جسے توراۃ میں راقیم کہا گیا ہے اور یہ فی الحقیقت ایک شہر کا نام ہے جو آگے چل کر پٹرا (Petra) کے نام سے مشہور ہوا اور عرب اسے بطرا کہنے لگے''۔[۲۰]

مولانا آزاد نے یہاں بھی جدید اثری تحقیقات کا سہارا لیا ہے اور مفصل بحث و تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ رقیم سے مراد ایک شہر ہے جو پٹرا کے نام سے معروف ہے، اصحاب کہف کا واقعہ اسی شہر میں پیش آیا تھا اور قرآن پاک نے صاف صاف اسی شہر کا ذکر کیا ہے۔[۲۱]

دوسری اہم تاریخی بحث ذوالقرنین کی ہے، ذوالقرنین کون تھے، یہ ایک اہم سوال ہے،

قدیم مفسرین نے ذوالقرنین کا مطلب دوسینگوں والا لیا، لیکن تاریخ میں دوسینگوں والے کسی بادشاہ کا سراغ نہیں ملا تو انہوں نے طرح طرح کے تکلفات برتے، فتوحات کی وسعت اور حکمرانی کے لحاظ سے ان کے معیار پر سکندر مقدونی پورا اترا تو اسی کو ذوالقرنین قرار دے دیا حتی کہ امام رازیؒ نے بھی اسی کو ذوالقرنین لکھا ہے مگر مولانا آزاد نے اس کے برعکس ایک طویل مورخانہ بحث و تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ سکندر مقدونی ذوالقرنین ہو ہی نہیں سکتا ہے کیوں کہ قرآن نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے، وہ ایک خدا رسیدہ نیک صفت اور خداترس بادشاہ تھا، جب کہ سکندر مقدونی کی شخصیت ان صفات سے عاری بلکہ اس کے برعکس تھی، پھر مولانا آزاد نے قدیم تاریخ، کتب آسمانی، جدید اثری تحقیقات اور قرآن پاک سے دلایل و شواہد پیش کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اصلاً ذوالقرنین سے مراد ایران کا ایک نیک خصلت اور عظیم المرتبت بادشاہ سائرس (Cyrus) کیخسرد تھا، مولانا آزاد نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ سائرس ہی کا لقب ذوالقرنین تھا اور اس میں قرآن پاک کی بیان کردہ تمام خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔[۲۲]

اس طویل تاریخی بحث میں مولانا آزاد نے ایک مشاق مورخ کی طرح بحث کی ہے، مستند دلایل دیے ہیں اور مستند ماخذوں سے استناد کیا ہے، کتب آسمانی اور قدیم مورخین مثلاً ہیروڈوٹس وغیرہ کے بیانات اور ان کی صداقت کا بھی جایزہ لیا ہے، تاریخ نگاری کے اصولوں میں ماخذ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، مولانا نے اس کا بڑا خیال رکھا ہے، اسی طرح واقعات کے تسلسل کو باقی رکھنے اور ان میں باہمی ربط پیدا کرنے کے لیے قیاس اور استنباط سے بھی مورخ کام لیتا ہے مولانا آزاد نے بھی اس اصول کی پوری طرح پاس داری کی ہے مثلاً یہ کہ اصحاب کہف کے واقعہ کی عربوں میں بڑی شہرت تھی اور چوں کہ ان کے ذرایع و وسایل معلومات محدود تھے، اس لیے امکان ہے کہ یہ واقعہ کہیں قریب ہی میں پیش آیا ہوگا، مولانا آزاد نے اور بھی دلایل دیے ہیں مثلاً وہ لکھتے ہیں:

> "اول تو خود یہ مقام (بطرا) عرب سے قریب تھا یعنی عرب کی سرحد سے ۶۰-۷۰ میل کے فاصلے پر تھا، ثانیاً نبطیوں کی وہاں آبادی تھی اور نبطیوں کے تجارتی قافلے برابر حجاز میں آتے رہتے تھے، یقیناً نبطیوں میں اس واقعہ کی شہرت ہوگی اور ان ہی سے عربوں نے سنا ہوگا۔
>
> خود قریش مکہ کے تجارتی قافلے بھی ہر سال شام جایا کرتے تھے اور سفر کا ذریعہ وہی شاہ راہ تھی جو رومیوں نے ساحل خلیج سے لے کر ساحل مارمورا تک تعمیر کردی تھی، پٹرا (بطرا) اسی شاہ راہ پر واقع تھا، بلکہ یہ اس نواح کی سب سے پہلی تجارتی منڈی تھی اس لیے اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ یہ واقعہ ان کے علم میں آگیا ہو"۔[۲۳]



ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل یہ پوری بحث پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، مولانا نے جس طرح قدیم تہذیبوں کا مطالعہ و جایزہ پیش کیا ہے اور جس طرح دلایل و شواہد پیش کرکے نتایج اخذ کیے ہیں وہ ان کی بلند پایہ تاریخی بصیرت کی غمازی کرتے ہیں، مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے الفاظ میں "مولانا نے اس بحث میں ایک بلند پایہ مورخ کا رول ادا کیا ہے"۔[۲۴]

اس جایزے کے بعد جناب ابوسلمان شاہ جہاں پوری کی یہ رائے یقیناً مبالغہ نہیں معلوم ہوگی کہ تاریخ عالم کے ایک ایک گوشے اور ایک ایک پہلو پر مولانا کی نظر تھی۔[۲۵]

مولانا آزاد کی شخصیت تاریخ داں سے بڑھ کر تاریخ ساز کی تھی، اس بات کا خود ان کو بھی کسی قدر احساس تھا، اس کو بعض لوگوں نے گو اچھی تعبیر نہ دی لیکن یہ واقعہ ہے کہ وطن کی آزادی، سالمیت اور اس کی ترقی کے لیے انہوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ ہندوستان کی تاریخ میں سنہرے حرفوں میں لکھے جائیں گے، انہیں اپنے وطن کے ذرے ذرے سے پیار تھا، یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے وطن کی تاریخ بھی بے حد عزیز ہے اور وہ اس کی قدیم و جدید تاریخ سے بہ خوبی واقف تھے، اپنی بعض تحریروں میں انہوں نے ہندوستان کی قدیم تہذیب کا بعض دوسری قدیم تہذیبوں سے موازنہ و مقابلہ بھی کیا ہے اور اس میں بھی وطنی عظمت کا جذبہ ان پر حاوی ہے، ان کا خیال تھا کہ موہن جداڑو تہذیب کا جنوبی ہندوستان اور مشرق وسطیٰ کی تہذیب سے موازنہ ضروری ہے،[۲۶] ان کو احساس تھا کہ اسلامی دنیا کو قدیم ہندوستان کی تاریخ و تہذیب، فلسفہ، ادب اور ادیان کی کچھ خبر نہیں بلکہ وہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے بھی ناواقف ہے۔[۲۷]

چنانچہ انہوں نے قدیم و جدید ہندوستان کی تاریخ سے اسلامی دنیا کو روشناس کرانے

کے لیے ایک مجلس قایم کی اور اس کی طرف سے رسالہ ''ثقافۃ الہند'' جاری کیا، اس نوعیت سے اس رسالے نے متعدد مضامین شایع کیے، ثقافۃ الہند میں عہد مغلیہ سے متعلق کئی نادر تصویریں شایع ہوئی ہیں جن پر مولانا آزاد کے قلم سے وضاحتی نوٹ ہیں، چوں کہ ان سے مولانا آزاد کی تاریخی بصیرت کے ساتھ فن مصوری میں ان کی مہارت کا بھی پتا چلتا ہے اس لیے ان کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے، ثقافۃ الہند میں جہاں گیر کی ایک تصویر شایع ہوئی ہے اس کے وضاحتی نوٹ میں مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''مغل عہد کے فن مصوری کا یہ نہایت شان دار نمونہ ہے، اس میں جہاں گیر کو حالت سفر میں دکھایا گیا ہے، سامنے اس کے والد شہنشاہ اکبر کا مقبرہ ہے اور وہ گھوڑے پر سوار اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہے، اس کے جلو میں اعیان و امرا ہیں اور عقب میں ایک فوجی دستہ، اس کے سامنے ایک نوجوان ننگے سر عجز و انکسار کی حالت میں کھڑا ہے اور نوجوان کے پیچھے ایک شخص ایسی ہیئت میں نمایاں ہے گویا وہ نوجوان کو بہ حیثیت مجرم اور قیدی کے پیش کر رہا ہو، مرقع میں جن جن آدمیوں کی صورتیں دکھائی گئیں ہیں سب حقیقی ہیں یعنی جو آدمی اس موقع پر جس وضع اور لباس میں موجود تھے، انہیں اسی طرح مصور نے نمایاں کیا ہے''۔[28]

یہ تصویر کس موقع کی ہے، یہ عقدہ ناحل شدہ تھا، ''تزک جہاں گیری'' میں جہاں گیر نے دو مرتبہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کا ذکر کیا ہے، ان دونوں مواقع کی یہ تصویر نہیں ہے کیوں کہ ان دونوں سفروں میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جب کہ کسی مجرم کو اس کے سامنے پیش کیا گیا ہو، تصویر میں جہاں گیر گھوڑے پر سوار ہے، پہلی بار جہاں گیر گھوڑے پر گیا ہی نہیں تھا جب کہ دوسری بار گھوڑے پر ضرور گیا تھا مگر کسی مجرم کے پیش کرنے کا واقعہ پیش نہیں آیا، مولانا آزاد نے اس تصویر پر ایک مضمون لکھ کر تصویر کا ناحل شدہ معمہ حل کیا، انہوں نے لکھا ہے کہ اس تصویر کا مطلب حل کرنے میں دقت اس لیے پیش آئی کہ فرض کر لیا گیا کہ جہاں گیر جب اکبر کے مقبرے کی زیارت کے لیے گیا، اسی وقت کا منظر اس تصویر میں دکھایا گیا ہے اور چوں کہ وہ زیارت کے لیے صرف دو مرتبہ گیا اور دونوں موقعوں پر گرفتاری کا واقعہ پیش نہیں آیا، اس لیے یہ تصویر معمہ بن کر رہ گئی ہے اور اس کا



مطلب حل نہیں ہوا، دراصل اس تصویر کا تعلق اس موقع سے ہے جب جہاں گیر کی تخت نشینی کے پہلے سال اس کا بیٹا خسرو بہ قصد بغاوت قلعہ آگرہ سے نکل کر پنجاب کی طرف بھاگا ہے اور جہاں گیر اس کے تعاقب میں نکلا ہے، مولانا آزاد نے اپنے دعوے کے ثبوت میں تزک جہاں گیری سے یہ اقتباس بھی پیش کیا ہے:

''آٹھ ذی الحجہ یک شنبہ کی رات خسرو قلعہ سے نکلا اور تین سو پچاس سواروں کے ساتھ جنہیں اس نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا کسی جانب روانہ ہوگیا، پہلے میں نے شیخ فرید بخشی بیگی کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا، پھر صبح کے وقت متوکلاً علی اللہ بغیر کسی خاص سروسامان کے خود بھی روانہ ہوگیا، جب میں سکندرا پہنچا تو میں نے چاہا کہ والد بزرگوار کی روحانیت سے استمداد چاہوں، چنانچہ ان کے روضہ منورہ پر حاضر ہوا، اسی اثنا میں کچھ لوگ مرزا حسن پسر مرزا شاہ رخ کو پکڑے ہوئے قریہ سکندرا سے لائے اور عرض کیا کہ یہ بھی خسرو کی ہمراہی کا فیصلہ کر چکا تھا اور اس کے پیچھے روانہ ہونے والا تھا، جب یہ بات ہمیں معلوم ہوئی تو ہم نے اسے روک لیا، میں نے مرزا حسن سے پرسش کی تو وہ انکار کی جرأت نہ کر سکا، میں نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ باندھ کر اسے ہاتھی پر سوار کیا جائے''۔

پھر مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''جہاں گیر کی اس تصریح نے اس تصویر کا پورا مطلب حل کر دیا، مصور نے اس موقع کی تصویر کھینچی ہے، جب جہاں گیر اپنے والد اکبر کے مقبرے کے سامنے پہنچا ہے اور کچھ لوگ مرزا حسن کو پکڑے ہوئے لائے، جہاں گیر نے گھوڑے کی لگام روک لی اور صورت حال دریافت کی، مرزا حسن سر جھکائے کھڑا ہے اور اس کو گرفتار کرنے والا اس کے پیچھے ہے، مرزا حسن کی حالت بتلا رہی ہے کہ اسے بے خبری کی حالت میں اچانک گرفتار کیا گیا ہے، سر برہنہ ہے گویا اس کی بھی اسے مہلت نہ ملی کہ سر پر پگڑی رکھ لیتا''۔[29]

اس بحث کے علاوہ مولانا آزاد کے متعدد مضامین بھی ان کی تاریخی بصیرت کا نمونہ ہیں،

سرمد پر انہوں نے جو مضمون لکھا وہ نہ صرف تاریخ کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتا ہے بلکہ انہیں ایک دیدہ ور مورخ کی حیثیت بھی عطا کرتا ہے، سرمد کی شہادت ایک بڑا تاریخی واقعہ ہے، مولانا آزاد نے اس کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر ان کے حالات و واقعات تاریخ و تذکرہ کی قدیم کتابوں سے ڈھونڈ کر قلم بند کیے، سرمد پر قلم اٹھانا اس لحاظ سے بڑا دشوار تھا کہ ان کا تذکرہ عام طور سے مورخین نے نہیں کیا ہے، مولانا آزاد نے عہد عالم گیری کی تمام تاریخوں کو کھنگال ڈالا اور ریزہ ریزہ جمع کر کے مقالے کی صورت دی، اس کی تفصیل پیش کرتے ہوئے وہ خود لکھتے ہیں:

> ''عہد عالم گیری اور اس کے بعد جس قدر فارسی تذکرے لکھے گئے ان میں بالعموم سرمد کے عنوان سے چند سطریں ملتی ہیں لیکن اول تو قدیم تذکروں کے حالات اس قدر مختصر اور ناکافی ہوتے ہیں کہ اگر زندگی میں ان کے نام خطوط لکھے جاتے تو لفافے کے لیے پورا پتا بھی میسر نہ آتا اور پھر جو کچھ ہوں دقت یہ ہے کہ اس وقت سامنے نہیں، میں نے عہد عالم گیری کی تاریخوں کو دیکھا کہ شاید حوادث و واقعات کے ضمن میں کچھ حالات مل جائیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پولیٹکل عاقبت اندیشوں نے قلم کو روک لیا تھا، مرزا محمد کاظم نے عالم گیر کے حکم سے تمام سوانح و حالات بہ قید سنین قلم بند کرنے شروع کیے لیکن صرف دس سال ہی کے حالات لکھے تھے کہ حکماً یہ سلسلہ بند کر دیا گیا، اس کے بعد شاہ عالم کے عہد میں نواب عنایت اللہ کو خیال تکمیل ہوا، اس کے اشارہ سے مستعد خاں نے بقیہ چالیس سال کے سوانح قلم بند کیے اور ابتدائی دہ سالہ مجموعہ کا انتخاب شامل کر کے مآثر عالم گیری نام رکھا، میں نے ۱۰۷۱ھ کے حالات کی ورق گردانی کی کہ یہی سرمد کی شہادت کا سنہ ہے مگر حالات کا ملنا ایک طرف معلوم ہوتا ہے کہ پوری مستعدی کے ساتھ تاریخ کے صفحوں کو بچایا گیا ہے کہ اس شہید عشق کے جامۂ خونچکاں کی قطرہ افشانی سے حاشیہ پر کہیں دھبے نہ پڑ جائیں، لطف یہ ہے کہ اسی سال شاہ عباس ثانی اور حسین پاشا رومی کے سفرا آئے تھے، ان کے حالات کی سطریں صفحے کی انتہا تک پہنچ کر بھی آگے بڑھنے سے نہیں رکتیں، خیر یہ حالات بھی کچھ نہ کچھ



> اہمیت رکھتے تھے، طرہ بریں یہ کہ اس سال نواح دہلی میں کہیں چند لڑکے شاہ و وزیر کی نقل کھیل رہے تھے، ان میں ایک کوتوال اور ایک مجرم بھی تھا، مصنوعی کوتوال نے غیظ و غصہ میں آکر مصنوعی مجرم کو اصلی سزا دے دی، نصف صفحے کے قریب اس حادثۂ عظیم اور داستان اہم کی نذر کیا گیا، مورخ کی نظر کا جب یہ حال ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے قصوں کے ہجوم میں سرمد بے چارے کی نعش کیوں کر نظر آتی۔
>
> خافی خاں کی منتخب اللباب عہد مغلیہ کی مشہور ترین تاریخ ہے جس نے اورنگ زیب کے حالات اس تفصیل سے لکھے ہیں کہ گویا صرف یہی زمانہ موضوع کتاب ہے قیاس کہتا تھا کہ اس نے یہ واقعہ نظر انداز کر دیا ہوگا کیوں کہ عالم گیری عہد کا قلم اس کے ہاتھ میں نہ تھا جس کو ہر قدم پر روک دیے جانے کا اندیشہ ہو، مگر جب اسے کھولا تو ہزار صفحے کے سوانح میں ایک لفظ بھی سرمد کی نسبت نہ تھا، سچ یہ ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا راز مورخ کا قلم ہے، آج کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی باگ میں کتنی گرہیں ڈال دی گئی تھیں''۔[30]

اس اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا آزاد نے عہد وسطی کی تاریخ اور مورخین کا کس قدر باریکی سے جایزہ لیا تھا، تاریخ ہند کے مآخذ کے سلسلے میں ان کی یہ رائے قابل ذکر ہے کہ محض فارسی تاریخوں سے استفادہ غور و فکر اور زاویہ نظر کو محدود کر دے گا، اس لیے عربی مآخذ سے بھی استفادہ لازمی ہے۔[31]

عہد وسطی کی تاریخ داراشکوہ اور عالم گیر کی باہمی معرکہ آرائیوں کی وجہ سے مورخین کی خاص دل چسپی اور توجہ کا مرکز رہی ہے، کسی نے داراشکوہ کو حق بہ جانب اور کسی نے عالم گیر کو سراپا عادل و منصف ثابت کرنے کی کوشش کی، حالاں کہ اصول تاریخ نویسی کی رو سے یہ جانب داریاں صحیح طرز عمل نہیں قرار دی جاسکتیں، مولانا آزاد اس معاملہ میں داراشکوہ کے طرف دار نظر آتے ہیں جب کہ مشہور مورخ علامہ شبلیؒ عالم گیر پر عاید الزامات کی تردید کرتے ہیں، غالباً یہ ان چند پہلوؤں میں سے ایک ہے جہاں شبلی و ابوالکلام کے افکار و خیالات میں تفاوت نظر آتا ہے۔

مولانا آزاد نے کچھ ایسی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں جن پر ان کے قلم سے حواشی اور فٹ نوٹ

ہیں، جناب سید مسیح الحسن صاحب نے ان کو حواشی ابوالکلام کے نام سے کتابی صورت میں مرتب کردیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے زیر مطالعہ مختلف زبانوں اور مختلف علوم وفنون کی کتابیں رہا کرتی تھیں، ان میں ایک بڑی تعداد تاریخ و تذکرہ کی کتابوں کی بھی ہے، چند کے نام یہ ہیں: خزانۂ عامرہ، مآثر الکرام (دو جلدیں)، مرأۃ الخیال، مضامین عالم گیر، منتخب التواریخ، تزک جہاں گیری، تاریخ پنجاب، تحفۃ الاحباب، مآثر الامرا، سیر المتاخرین، رقعات عالم گیر، سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، تجارب الامم، بخندان فارس، تذکرۃ الشعرا وغیرہ۔

یہ ان کتابوں کی سرسری فہرست ہے جن پر مولانا آزاد کے حواشی یا نوٹ ہیں، اس سے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ انہوں نے تاریخی کتابوں سے کس قدر شغف و انہماک رکھا، البتہ ان سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ تاریخ کی ہر طرح کی کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہیں۔

مولانا آزاد نے جو حواشی لکھے ہیں وہ اس لحاظ سے بڑے اہم ہیں کہ ان میں بعض غلطیوں کی نشان دہی کی گئی ہے، بعض میں نقطہ نظر کا اختلاف ہے، واقعات تاریخ کے سلسلے میں بعض مفید مشورے ہیں، تاریخ سے شغف رکھنے والوں کے لیے ان کا مطالعہ افادیت سے خالی نہیں، یہاں علامہ شبلیؒ کی کتاب مضامین عالم گیر کے حواشی کا اس پس منظر میں ذکر کیا جاتا ہے کہ اس سے مولانا آزاد کی تاریخی بصیرت اور تاریخ ہند اور عالم گیر کے سلسلے میں ان کے موقف کی وضاحت ہوتی ہے۔

عالم گیر اور شیواجی کی معرکہ آرائی میں بالآخر شیواجی مغلوب ہوا اور دربار میں آیا، عالم گیر نے اس کے استقبال کے لیے اپنے دو عہدے داروں کو بھیجا، پنج ہزاری منصب دیا جس سے وہ مطمئن نہیں ہوا، بعض یورپین مورخ عالم گیر پر یہ الزام عاید کرتے ہیں کہ اس نے شیواجی کا شایان شان استقبال نہیں، علامہ شبلیؒ نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ:

"شیواجی کی اطاعت کا سلطنت پر کیا احسان تھا؟ شاہی فوجوں نے اس کے تمام علاقے فتح کرلیے تھے، وہ قلعہ میں چاروں طرف سے گھر چکا تھا، اس کے خاص صدر نشیں قلعے کے برجوں پر شاہی فوج کا پھریرا اڑ چکا تھا، ان مجبوریوں سے وہ ہتھیار رکھ کر غلاموں کی طرح آیا اور دربار میں روانہ کیا گیا تاہم اس کے استقبال کے



لیے عالم گیر نے دربار میں سب سے زیادہ جو شخص موزوں ہوسکتا تھا اس کو بھیجا، پنج ہزاری امرا کی صف میں جو خود راجہ جے سنگھ کا منصب تھا اس کو جگہ دی، اس سے زیادہ وہ اور کیا چاہتا تھا؟ کیا شہنشاہ ہند ایک مفتوح رہزن کے لیے تخت سے اتر آتا؟ بے شبہ یورپ اس قسم کی جھوٹی اور مکارانہ خوشامدوں کی مثالیں پیش کرسکتا ہے لیکن اسلام سے اس کی توقع نہیں رکھنی چاہیے"۔[۳۲]

یہاں عالم گیر اور شیواجی کی بحث میں اسلام کو لانا یقیناً قابل اعتراض ہے، چنانچہ مولانا آزاد نے یہ لکھ کر کہ "گویا اعمال عالم گیر اعمال نفس اسلام تھے"، انتہائی لطیف پیرائے میں شبلی پر تنقید کی ہے۔[۳۳]

شیواجی کے بیٹے سنبھاجی کی باغیانہ کارروائیوں کے خلاف کارروائی ہوئی اور وہ گرفتار کیا گیا اور چوں کہ جب وہ دربار میں لایا گیا تو اس نے عالم گیر کو روبرو سخت گالیاں دیں، اس لیے عالم گیر نے اس کی زبان کاٹنے کا حکم دیا اور پھر آنکھیں نکلوا کر قتل کرادیا، علامہ شبلیؒ نے عالم گیر کی پچاس سالہ حکومت میں اسے ایک مستثنیٰ واقعہ قرار دیا ہے، مولانا آزاد اس سے اتفاق نہیں کرتے اور طنزاً لکھتے ہیں:

"اگرچہ عرق پوست پلا پلا کر زندانیان گوالیار کو ہلاک کرتا رہا، اسلام نے تو ہر حال میں مثلہ کو ناجائز قرار دیا ہے لیکن یہ مقدس ولی مغلوب و محکوم دشمن کی زبان کٹواتا ہے اور آنکھیں نکلواتا ہے"۔[۳۴]

سنبھا کے ساتھ اس کی ماں اور بیٹا ساہو بھی گرفتار ہوئے تھے، ان کے ساتھ عالم گیر نے بڑا حسن سلوک کیا، ہفت ہزاری منصب اور راجہ کا خطاب دیا، اس کی سرکار بھی قایم کی، اس کا خیمہ شاہی خیمے کے ساتھ ایستادہ کرایا، مولانا آزاد کا خیال ہے کہ "کیا اس سے الفنسٹن کے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی کہ عالم گیر نے مرہٹوں کے ساتھ بالآخر وہ کیا جو ان کی توقع سے زیادہ تھا، اگر سخت مجبوری نہ ہوتی تو اس درجہ تالیف قلب ممکن نہ تھی"۔[۳۵]

راجہ جسونت سنگھ نے کئی بار وفاداریاں تبدیل کیں اور ہر بار عفو و درگذر کی درخواست دربار عالم گیر میں منظور ہوئی، اس کی موت کے بعد راج پوتوں نے اس کے یک ماہہ بچے کو راجہ

بنانے کی مانگ کی اور دربار کے جواب سے پہلے ہی اس کو لے کر فرار ہوگئے، علامہ شبلیؒ نے اس پوری بحث میں عالم گیر کو حق بہ جانب ٹھہرایا ہے مگر مولانا آزاد نے یہ سوال کیا ہے کہ ''اگر کوئی مخالفانہ عزم و عمل عالم گیر نہ تھا تو کارپردازان جسونت سنگھ نے بچوں کو کیوں حوالہ نہیں کیا اور ابتدا سے مخالفانہ رویہ کیوں دکھلایا؟''۔[۳۶]

دارا شکوہ کے بارے میں علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ وہ علانیہ ہندو پن کا اظہار کرتا تھا، اُپ نشد کے ترجمہ میں اس نے لکھا ہے کہ قرآن مجید اصل میں اُپ نشد ہے، اس عبارت میں علامہ شبلیؒ کو الحاد نظر آتا ہے، مولانا آزاد کو اس سے اتفاق نہیں، وہ لکھتے ہیں کہ اس میں کیا الحاد ہے، اگر اُپ نشد سرچشمہ بحر توحید بہ قول دارا شکوہ ہے اور مطالب قرآن سے متحد تو یقیناً وَمَا اُنزِلَ مِنْ قَبْلِکَ میں داخل ہے اور قرآن مثل توراۃ و انجیل اس کا مصداق۔[۳۷]

یہاں تعجب ہوگا کہ جس بات میں علامہ شبلیؒ کو الحاد نظر آتا ہے اس میں انہیں کے تربیت یافتہ مولانا آزاد کو کوئی قباحت نظر نہیں آتی☆، عالم گیر نے اپنے عہد میں میلوں ٹھیلوں کو حفاظتی نقطۂ نظر سے بند کرادیا تھا، تابوت نکالنے پر بھی پابندی عاید کردی تھی، مولانا آزاد نے شرعی نقطۂ نظر سے یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ ''ہندوؤں کے مذہبی میلوں کو بند کرنے کا شرعاً و قانوناً اس کو کوئی حق نہ تھا، مذہبی و اخلاقی اصلاح صرف مسلمانوں کے لیے تھی نہ کہ ذمیوں کے لیے''۔[۳۸]

علامہ شبلیؒ نے مآثر عالم گیری کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے استناداً انہیں مقامات پر کیا جائے گا جہاں دوسرے مورخین اس کے ہم زبان ہیں[۳۹]، مگر انہوں نے ہندوؤں کی ملازمت سے برطرفی کے معاملہ میں مآثر عالم گیری سے استناد کیا ہے، مولانا آزاد کی نظر یہاں کیسے چوک سکتی تھی، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ ''اب انکار واقعہ سے پہلے تصدیق و عدم توثیق صاحب مآثر

☆معارف: مولانا آزاد کے نقد و تعاقب سے اتفاق ضروری نہیں، جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے تو دارا شکوہ کے خیال میں ''اِنَّہٗ لَقُرْآنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتَابٍ مَّکْنُوْنٍ'' سے متعین طور سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت توریت اور انجیل کے حق میں نہیں بلکہ تنزیل سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لوح محفوظ کے حق میں ہے چوں کہ اپنکہت کہ ایک مخفی راز ہے اصل و ماخذ ہے اور قرآن مجید کی آیتیں بعینہ اس میں پائی جاتی ہیں، پس تحقیق کہ چھپی ہوئی کتاب (کتاب مکنون) یہی کتاب قدیم (اُپ نشد) ہے'' ایسی صورت میں مولانا آزاد کی توجیہ نا قابل تسلیم ہے۔ (ض)



کا مسئلہ طے کرنا چاہیے''۔[۴۰]

علامہ شبلیؒ نے عالم گیر کی بت شکنی اور ہندوؤں سے تعلقات پر طویل بحث و تحقیق کی ہے، اس سلسلہ میں الفنسٹن کی تردید بھی کی ہے اور واضح کیا ہے کہ عالم گیر کی تخت نشینی سے پہلے ہندوؤں نے بہت زور پکڑ لیا تھا، عالم گیر نے ان کو روکنا چاہا تو شورش برپا ہوئی، علامہ شبلیؒ کے اس موقف کے بارے میں مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ ''کیا لطف کی بات ہے کہ ایک طرف الفنسٹن کا رد کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کو عالم گیر سے کوئی پرخاش نہ ہوئی، دوسری طرف شورش و مخالفت عامہ کا اقرار بھی اور یہ بھی کہ تقرر جزیہ سے ہندو بگڑ اٹھے تھے''۔[۴۱]

عالم گیر کی بت شکنی کے علامہ شبلیؒ نے متعدد اسباب بیان کیے ہیں، مثلاً ہندوؤں نے بعض مسجدوں پر قبضہ کرلیا اور مسلمان عورتوں کو جبراً اپنے گھروں میں داخل کرلیا، اپنے مذہبی علوم کی مسلمانوں کو جبری تعلیم دینے لگے تھے، عالم گیر نے ان دست درازیوں کو روکنا چاہا تو شورش برپا ہوئی، مجبوراً عالم گیر کو فوج کشی کرنی پڑی مگر مولانا آزاد اس سے اتفاق نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں ''گویا یہ بھی جرم تھا اور اس کا انسداد ایک منصف گورنمنٹ کے لیے ضروری تھا؟ مصنف اس سے بالکل بحث نہیں کرتا کہ ہندوؤں کی شورش کے اصل اسباب کیا تھے''۔[۴۲]

علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ جب ہندوستان میں امن و امان قایم ہوگیا تو کوئی ایک بھی بت خانہ منہدم نہیں کیا گیا، مولانا آزاد نے اس موقف پر تعریض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس لیے کہ عالم گیر نے نتایج دیکھ لیے اور مرہٹوں کی شورش نے مزید مہلت نہ دی''۔[۴۳]

شاہ جہاں کے بیمار ہونے کے بعد دارا شکوہ نے حکومت کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے، مراد اور عالم گیر کے وکلا کو نظر بند اور ان کا مال ضبط کرلیا تھا، یہ واقعات شبلیؒ نے مآثر عالم گیری سے نقل کیے ہیں، اس سلسلے میں مولانا آزاد کا خیال ہے کہ ''اس کی تصدیق اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوتی اور پہلے دعویٰ کیا گیا ہے کہ عالم گیر نامہ اور مآثر عالم گیری سے استشہاد نہ کیا جائے گا، الا تبعاً''۔[۴۴]

مولانا آزاد نے ایک دو جگہ واضح طور پر علامہ شبلیؒ کی تاریخ نگاری پر تنقید کی ہے مثلاً علامہ نے لکھا ہے کہ دارا شکوہ نے یہ مشق بہم پہنچائی تھی کہ شاہ جہاں کے خط سے اپنا خط ملا دیتا تھا

اور فرامین پر شاہ جہاں کے دستخط اپنے ہاتھ سے بناتا تھا،[45] اس اقتباس کے حاشیہ میں مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ کیا منصفانہ تاریخ نویسی ہے کہ مراد جو خود ایک فریق ہے اور دارا شکوہ کا دشمن، اس کے قول کی سند لائی جاتی ہے،[46] اسی طرح مراد اور عالم گیر کے تعلقات اور پھر مراد کے خاتمہ پر علامہ شبلیؒ نے جو بحث کی ہے مولانا آزاد اس پر بھی نکتہ چیں ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''مصنف نے اس ٹکڑے کو بالکل نظر انداز کر دیا کہ شجاع و مراد کی یہ حالت اورنگ زیب کے تخلف عہد کے بعد ہوئی یا پہلے، برنیئر اور عاقل خاں سے ثابت ہوتا ہے کہ جب ورود آگرہ کے بعد اورنگ زیب نے بالکل رنگ بدل دیا، مراد کو بیرون شہر چھوڑا خود شاہانہ طمطراق سے آگرہ میں داخل ہوا تو اس وقت مراد سے بے دلی کے آثار ظاہر ہوئے''۔[47]

علامہ شبلیؒ کا خیال ہے کہ اورنگ زیب نے مراد کے معاملہ میں شمشیر کے بہ جائے تدبیر سے کام لیا اگر وہ تدبیر کے بہ جائے شمشیر سے کام لیتا تو ہم اس کی زیادہ تعریف کرتے، انہوں نے منصور عباسی کی مثال بھی پیش کی ہے، مولانا آزاد نے اس موقف پر بڑی سخت گرفت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''جس شخص کی زبان پر ہمیشہ قال اللہ اور قال الرسول ہو اور شریعت اور حفظ دین کے دعووں سے تمام فرامین و مراسلات مملو ہوں اس کا دعوی منصور عباسی کے ہمتا ہونے کا یقیناً نہیں ہوگا بلکہ خلفاے راشدین کا''۔[48]

علامہ شبلیؒ نے مراد کے خطوط کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ دارا شکوہ کے خلاف جنگ میں مراد نے پہل کی تھی، عالم گیر نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ بہ ضد رہا، مولانا آزاد اس سے متفق نہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ ''عالم گیر مراد کو روک رہا تھا تو اس سے مصنف کو کوئی فایدہ نہیں، اس روک سے مقصد یہ تھا کہ مراد عالم گیر سے بازی نہ لے جائے''۔[49]

علامہ شبلیؒ نے اپنی کتاب میں عالم گیر کی ذاتی خوبیوں کو بھی بیان کیا ہے مگر مولانا آزاد اسے سرکاری احکام کی نقل اور بے سود بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''شخصی حکمرانوں کے اوصاف و مناقب میں ان کی سرکاری تاریخوں سے محض احکام نقل کر دینا بے سود ہے، اصل چیز واقعات میں عملاً و فعلاً انصاف ہے''۔[50]



ان حواشی سے اگرچہ دارا شکوہ کی طرف داری صاف ظاہر ہوتی ہے تاہم خود اورنگ زیب کی کردار کشی میں انگریز مورخوں اور سیاحوں نے جو کردار ادا کیا ہے وہ بھی مولانا آزاد کی نظر سے پوشیدہ نہ تھا، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے:

''مغربی سیاحوں اور مورخوں کے ملمع کار اور پر از تاثر قلم نے جن عجیب چالاکیوں سے اورنگ زیب کی فرضی تصویر کھینچی ہے کہ وہ دنیا کے اس متمدن ترین خطے کے قلمی فریبوں کی فہرست میں ہمیشہ نمایاں رہے گی''۔[51]

مولانا آزاد کے متعدد خطوط میں بھی تاریخی مباحث موجود ہیں، ظاہر ہے خطوط میں وہ مباحث ہی ہوں گے جو بلا کسی تدقیق کے مطالعہ و حافظہ کے رہین منت ہوتے ہیں، یہاں اسے اس غرض سے نقل کیا جاتا ہے کہ اس سے پورے طور پر ان کے مورخانہ شعور کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹیپو سلطان شہید اور ان کے عہد کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئیں ان سے کس قدر واقف تھے، واقعہ یہ ہے کہ مولوی غلام رسول مہر نے ٹیپو سلطان کی تاریخ لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا اور اس سے متعلق مولانا آزاد سے تفصیل دریافت کی، اس کے جواب میں مولانا آزاد نے جو خط لکھا ہے اس سے حیدر علی اور ٹیپو شہید کی تاریخ کے بارے میں چند اہم اور بنیادی تاریخی مآخذ کا پتا چلتا ہے اور فارسی کے علاوہ انگریزی اور فرنچ کتابوں کی بھی نشان دہی ہوتی ہے، مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''ٹیپو سلطان کی جس کتاب کا ذکر کیا تھا تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ وہی کتاب ہے جس میں فرنچ قواعد جنگ کو فارسی میں منتقل کیا گیا ہے، حیدر اور ٹیپو کے لیے جن انگریزی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے، غالباً وہ آپ نے جمع کر لی ہوں گی، چارلس اسٹیورٹ کی ''میموئرس آف حیدر علی اینڈ ہزسن'' کرنل بیٹسن کی ''اے ریویو آف دی اوریجن اینڈ کنڈکٹ آف دی وار وِتھ ٹیپو'' اور ''این آفیسران دی ایسٹ انڈیا کمپنیز سروس'' کی اتھینٹک میموئرس آف ٹیپو'' دوسری اور آخری جنگ کے زمانہ میں لکھی گئی تھیں اور کتب خانوں میں مل سکتی ہیں، ایک فرنچ افسر ایم ایم ڈی ایل ٹی نے حیدر علی کے

حالات ۱۷۸۱ء میں لکھے تھے اور لندن میں شایع کیے تھے، پرنس غلام محمد نے اس کی نقل کلکتہ میں چھپوا کر غدر سے پہلے شایع کی تھی، حیدر علی کے لیے یہ سب سے بہتر کتاب ہے ان کے علاوہ اس عہد کے سرکاری ڈسپیچوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے جو شایع ہو چکے ہیں خصوصاً لارڈ کارنوالس اور ویلزلی، کے والٹر ہیملٹن کے ایسٹ انڈیا گزٹ کا مطالعہ بھی مفید ہوگا، لیفٹیننٹ کرنل مارک ویلکس کی ہسٹری آف میسور میں بھی حیدر اور ٹیپو کی جنگوں کی تفصیلات مل سکتی ہیں۔

فارسی کتابوں میں صرف تین کتابیں قابل اعتنا ہیں، لالہ کھیم نرائن کی فتوحات حیدری، حسین علی کرمانی کی نشان حیدری اور مولوی عبدالرحیم کی کارنامہ حیدری، پہلی دو کتابیں شایع نہیں ہوئیں لیکن مولوی عبدالرحیم کے پیش نظر تھیں، ان کا تمام ضروری حصہ انھوں نے اپنی کتاب میں لے لیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ نقل کرلیا ہے، اس میں حیدر علی کے خاندان کو عربی اور شاہی خاندان بنا دینے کے لیے جو کہانی لکھی گئی ہے وہ یقیناً فرضی ہے لیکن عام حالات ضرور مستند سمجھے جائیں۔

ٹیپو سلطان کے خاندان کے قبضے میں چند کتابیں اور بھی تھیں، یہ لوگ چوں کہ والد مرحوم کے مرید تھے اس لیے اکثر گھر میں آتے رہتے اور بچپنے کی بات یاد ہے کہ کئی قلمی کتابوں کا ذکر کرتے تھے، لیکن بعد کو جب مجھے خیال ہوا اور ان کتابوں اور یادداشتوں کو دیکھنا چاہا تو انقلاب حال نے سارا کارخانہ برہم کر دیا تھا، کوئی چیز بھی کسی کے قبضے میں باقی نہیں رہی تھی، ملا فیروز نے جارج نامہ میں لڑائیوں کا حال نظم کیا ہے اور وہ میرے کتب خانے میں موجود ہے لیکن وہ تمام تر انگریزی بیانات کی نقل ہے تاریخی حیثیت سے لائق اعتنا نہیں، البتہ اس سے یہ بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ حیدر علی کی عظمت اور ٹیپو کی شجاعت کا عام طور پر اعتراف کیا جاتا تھا''۔[۵۲]

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

''حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے حالات لکھتے ہوئے وہ کتابیں بھی سامنے رکھنی چاہئیں جو بعض انگریز قیدیوں نے رہائی کے بعد لکھی تھیں، اس سلسلے میں تین تحریروں



کا حوالہ دیا جاتا ہے، جیمس برسٹو کی ''سرگذشت'' کرنل بیلی کے ''ایک آفیسر کا جرنل'' اور جیمس سکری کی ''لائف'' حال میں ٹریولرس کی لائبریری نے ان تینوں رسالوں کا ایک مجموعہ کیپچوز آف ٹیپو کے نام سے شایع کر دیا ہے، اگر آپ نے یہ کتاب ابھی نہ لی ہو تو بہتر ہے کہ منگوا لیجیے، ان لوگوں نے قید و بند کے جو شدائد بیان کیے ہیں انہیں احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیے، خصوصاً سکری (scurry) کے بیانات، فرنچ میں کئی کتابیں حیدر علی اور ٹیپو کے حالات میں لکھی گئی ہیں جن کا انگریزی ترجمہ نہیں ہوا ہے، یہ ضروری ہے کہ کسی ماہر سے اس کے بارے میں خط و کتابت کر لی جائے''۔[۵۳]

مولانا آزاد کے تاریخی مطالعے، وسعت نظر اور حیرت انگیز معلومات پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے لکھا ہے کہ:

''جعفری خاندان کی تاریخ ہو یا پٹھانوں کی تاریخ، ان کے خصایص و کمالات کا بیان وہ اس طرح کرتے تھے کہ خود صاحب علم و مطالعہ جعفری اور پٹھان بھی حیرت زدہ رہ جاتے تھے، حتیٰ کہ حقہ کی تاریخ اس کی تدریجی ترقی عہد بہ عہد اس کی شکل میں تبدیلی، اس کی نے کی مختلف شکلوں اور ان کی لمبائی موٹائی کے اختلاف سے اس کی آواز پر معمولی اثر، پتنگ کی تاریخ، اس کی مختلف شکلیں، اس کے اڑانے اور لڑانے کے طریقے، چائے کی تاریخ، کاشت، اس کی اقسام اور اس کے ذائقے کا تذکرہ، بلبلوں اور اس کی نسلوں کا بیان، پھول پودے اور ان کی اقسام زیر بحث ہوں یا پرندوں اور جانوروں کی نفسیات پر قلم اٹھائیں، وہ ہر چیز کا بیان اس تفصیل سے کرتے ہیں کہ پڑھنے والے نہ صرف ان کے بیان کی ندرت پر عش عش کر اٹھتے ہیں بلکہ ان کے علم و مطالعہ کی وسعت، حیرت انگیز کمال حافظہ اور بے نظیر قوت استحضار کا اعتراف کرتے ہی بن پڑتا ہے''۔[۵۴]

ان چند مباحث اور اجمالی جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا آزاد تاریخ اسلام، تاریخ عالم اور خاص طور سے ہندوستان کی تاریخ سے پوری طرح باخبر تھے اور اس کی ایک ایک جزئی اور فروعی بات پر ان کی نظر تھی، وہ علوم و فنون کی تاریخ سے بھی کما حقہ واقف تھے اور

ان کے اسی تاریخی شعور اور بصیرت سے ان کے کارناموں کو بلاشبہ بقائے دوام کی دولت نصیب ہوئی۔

---

## حواشی

۱؎ انڈیا ونس فریڈم، ص ۷۳، ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی ۱۹۹۷ء۔ ۲؎ سرمد شہید، رباعیات سرمد، ص ۲۲، انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز، دہلی ۱۹۹۲ء۔ ۳؎ ذکری، ص ۶۸، شرکت ادبیہ علی گڈھ ۱۹۲۵ء۔ ۴؎ ۲۴؍ مارچ ۱۹۵۱ء کو دہلی میں یونیسکو کے جلسے سے خطاب کا ایک اقتباس۔ ۵؎ پروفیسر خلیق احمد نظامی، ایوان اردو، دہلی، ابوالکلام آزاد نمبر، دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۱۱۱۔ ۶؎ افکار آزاد، ص ۱۱، مکتبہ جامعہ، دہلی ۱۹۶۹ء۔ ۷؎ عبدالقوی دسنوی، تلاش آزاد، ص ۲۸، دہلی ۱۹۹۰ء۔ ۸؎ ایوان اردو، دہلی، آزاد نمبر، دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۱۱۲۔ ۹؎ غبار خاطر، ص ۲۷۶، ساہتیہ اکادمی، دہلی ۱۹۹۶ء۔ ۱۰؎ ایوان اردو، دہلی، آزاد نمبر ص ۱۱۴، دسمبر ۱۹۸۸ء۔ ۱۱؎ خطبۂ صدارت، لاہور، ص ۴۰-۴۲۔ ۱۲؎ موج کوثر، ص ۲۶۴، تاج کمپنی دہلی ۱۹۹۹ء۔ ۱۳؎ ایضاً ص ۲۷۲۔ ۱۴؎ خطوط ابوالکلام آزاد، ص ۱۱۳، ساہتیہ اکادمی، دہلی ۱۹۹۱ء۔ ۱۵؎ الہلال، ۱۶؍ ستمبر ۱۹۱۴ء۔ ۱۶؎ ایضاً۔ ۱۷؎ ایضاً۔ ۱۸؎ ایضاً۔ ۱۹؎ قول فیصل، ص ۳۴۔ ۲۰؎ ترجمان القرآن، ج ۴، ص ۴۰۶، ساہتیہ اکادمی دہلی۔ ۲۱؎ ایضاً ص ۴۰۶ تا ۴۳۰۔ ۲۲؎ ایضاً ص ۴۳۰-۵۱۴۔ ۲۳؎ ایضاً ص ۴۰۹۔ ۲۴؎ مولانا ابوالکلام آزاد، سیرت و شخصیت اور علمی کارنامے، ص ۷۵، مولانا سعید احمد اکبر آبادی اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۶ء۔ ۲۵؎ مقدمہ ارمغان آزاد، ص ۷، آزاد اکادمی، کراچی ۱۹۷۸ء۔ ۲۶؎ تقریر انڈین ہسٹاریکل کمیشن، ص ۲۸۔ ۲۷؎ ذکر آزاد، ص ۴۳۶-۴۳۷، کلکتہ ۱۹۶۰ء۔ ۲۸؎ ثقافۃ الہند، جون ۱۹۵۱ء، ص ۱۴ اب۔ ۲۹؎ ایضاً۔ ۳۰؎ رباعیات سرمد، سرمد شہید، ص ۱-۲۔ ۳۱؎ تقریر انڈین ہسٹاریکل کمیشن، ص ۲۸، دسمبر ۱۹۴۸ء۔ ۳۲؎ اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر، ص ۲۷-۲۸، طبع جدید دارالمصنفین ایڈیشن۔ ۳۳؎ حواشی ابوالکلام آزاد، ص ۳۴۸، اردو اکادمی، دہلی۔ ۳۴؎ ایضاً ص ۳۴۸-۳۴۹۔ ۳۵؎ ایضاً۔ ۳۶؎ ایضاً ص ۳۵۰۔ ۳۷؎ ایضاً۔ ۳۸؎ ایضاً ۳۵۱۔ ۳۹؎ اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر، ص ۷۷۔ ۴۰؎ حواشی ابوالکلام آزاد، ص ۳۵۱۔ ۴۱؎ ایضاً ۳۵۲۔ ۴۲؎ ایضاً ص ۳۵۳۔ ۴۳؎ ایضاً ۳۵۴۔ ۴۴؎ ایضاً ۳۵۵۔ ۴۵؎ اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر، ص ۸۳۔ ۴۶؎ حواشی ابوالکلام آزاد، ص ۳۵۶۔ ۴۷؎ ایضاً ص ۳۵۸۔ ۴۸؎ ایضاً ص ۳۵۸-۳۵۹۔ ۴۹؎ ایضاً۔ ۵۰؎ ایضاً ص ۳۶۰۔ ۵۱؎ مقدمہ ارمغان آزاد، ص ۲۳۸۔ ۵۲؎ خطوط ابوالکلام آزاد، ص ۲۶۹-۲۷۰، ساہتیہ اکادمی، دہلی ۱۹۹۱ء۔ ۵۳؎ ایضاً۔ ۵۴؎ مقدمہ ارمغان آزاد، ص ۹-۱۰۔





# اخبار علمیہ

شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلکس مدینہ منورہ نے حال ہی میں انگریزی، فرنچ، اسپینی، اردو اور عربی وغیرہ زبانوں میں قرآنی ویب سائٹ تیار کر کے انٹرنیٹ پر دے دیا ہے، کمپلکس کے جنرل سکریٹری نے اسے قرآن مجید کا ایک الکٹرانک (برقی) نسخہ کہا ہے جس میں قرآن مجید کے متعلق مختلف النوع تمام تفصیلات موجود ہیں، اس میں موضوعات کے اعتبار سے فہرست دی گئی ہے، بعض زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمہ کے ساتھ ہی تفسیر کا اہتمام بھی کیا گیا ہے، چار مشہور قرا کی جن کے نام رپورٹ میں نہیں دیے گئے ہیں، آوازوں میں قرآن مجید کی تلاوت بھی ریکارڈ کی گئی ہے، سائٹ کا نام حسب ذیل ہے:

www qurancomplex. Org.

---

قرآن مجید اور عربی زبان کی تعلیم و اشاعت کے مقصد سے سعودیہ عربیہ کے ایک اسلامی ادارہ "عربک فار آل" نے امہات کتب کی CD، VHS کیسٹ، TV سیریل اور ریڈیو پروگرام کی سیریز تیار کی ہے، یہ کام الساطر فار آرٹسٹک پروڈکشن اینڈ ڈسٹری بیوشن کے سربراہ عمومی اور اسلامک وقف ایسٹ کے خصوصی تعاون سے انجام پذیر ہوا ہے، اسلامک وقف ایسٹ ایک امدادی اور رفاہی ادارہ ہے جو علمی کاموں بالخصوص ٹکنیکل تعلیمی اداروں کو امداد بہم پہنچاتا ہے، اس کے سربراہ نے کیسٹ اور سیریز کی تیاری کو قرآن مجید کے علوم و معارف کو عام کرنے اور فروغ دینے کی سمت ایک نیا قدم بتایا۔

---

www Prophetmuhammadforall Org. ویب سائٹ کے افتتاح کی تقریب میں جدہ کے ایک فاضل نے تبلیغ اسلام اور خدمت دین کے لیے جدید ٹکنالوجی، ملٹی میڈیا، انٹرنیٹ اور ای میل وغیرہ کے استعمال پر زور دیا اور کہا کہ ۱۱؍ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعے کے بعد اسلام کے متعلق غلط فہمی اور تعصب پھیلانے میں مزید اضافہ ہوا ہے، اس بنا پر اسلامی تعلیمات اور مذہب اسلام کی صاف اور بے داغ تصویر پیش کرنے میں زیادہ تیزی لانے کی ضرورت ہے، اس کا ایک بہت مؤثر اور بلیغ طریقہ کار الکٹرانک میڈیا کا استعمال ہے، کیوں کہ جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ مدت سے لوگوں میں اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں، جن کو دور کرنے کے

لیے افہام وتفہیم، بحث ومباحثہ اور ڈائیلاگ وغیرہ کے اچھے پروگرام منعقد کرنا ضروری ہے۔

چین نے بدھ مذہب کی ۲۷۰۰ برس قدیم عظیم انسائیکلو پیڈیا کو دوبارہ طبع کرانے کا منصوبہ بنایا ہے، جس کے لیے ۴۰ منزلہ عمارت بنائی جائے گی، اس انسائیکلو پیڈیا کی پہلی طباعت ۱۷۳۵ء سے ۱۷۳۸ء کے درمیان کل ۳ برسوں میں مکمل ہوئی تھی، ۱۶۴۴ء سے ۱۹۱۱ء تک برسراقتدار رہنے والے خانوادۂ شاہی کے ایک فرماں روا قیان لانگ نے اپنے عہد حکومت میں یہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا تھا جو بدھ مذہب کی ان تعلیمات وقوانین کا مجموعہ ہے جو چین میں بدھ مذہب کے تعارف کے بعد اور ۱۷۰۰ء سے پہلے اس کا جزبن چکے تھے، چائنیز بدھسٹ ایسوسی ایشن کے سربراہ نے اس عظیم انسائیکلو پیڈیا کی دوبارہ طباعت کے لیے معتقدین سے دل کھول کر تعاون کرنے کی اپیل کی ہے جس کی دوبارہ اشاعت بدھسٹوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں، کلچرل ریلکس پبلی کیشنز ہاؤس کے صدر نے کہا کہ قدیم ایڈیشن طباعت کی پیچیدہ اور الجھی ہوئی تحریر اور جابجا دست کاری وغیرہ کو نکال دینے کی وجہ سے اب پوری انسائیکلو پیڈیا کی صرف ۹۹ سیریز طبع ہوں گی جو ۲۴۰۷ جلدوں پر مشتمل ہوگی، اس کام میں ۴-۵ سال کا عرصہ صرف ہوسکتا ہے۔

لندن میں کل ۱۵۰- زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں سے اکثر کا تعلق اسی برعظیم سے ہے، زبانوں کی اس طویل فہرست میں آسامی، بنگالی، گجراتی، کشمیری، ہندی، ملیالم، مراٹھی اور اردو کے علاوہ جنوبی ہندوستان اور اترانچل اور ہماچل پردیس کی خاص پہاڑی زبانوں کے نام قابل ذکر ہیں، لینگویج اسٹڈیز ایٹ سٹی یونی ورسٹی کے ٹم کامل نے بتایا کہ ۲۰۰۱ء میں اس کے جایزے کے دوران ہمیں پتا چلا کہ لندن میں خاص طور سے راج دھانی کے اردگرد ۱۵۰- زبانیں رائج ہیں، لندن کے شہر ہارنجی میں جہاں زولو قوم آباد ہے کورین زبان خاص طور سے بولی اور سنی جاتی ہے، اس سے یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ لندن میں غیر ملکی لوگ اچھی خاصی تعداد میں آباد ہیں جن کی اپنی اپنی زبانیں ہیں، ان کے باہم اختلاط سے بھی مزید درجنوں زبانوں کے پیدا ہونے کے امکانات روشن ہیں۔

اسپین کی پہاڑیوں پر پائی گئی کھوپڑیوں کے باقیات کا مطالعہ کرنے کے بعد امریکی اور اسپینی سائنس دانوں نے بتایا کہ ساڑھے تین لاکھ سال پہلے ابلاغ مدعا اور خیالات کی ترسیل کے مقصد سے بول چال اور زبان وجود میں آئی لیکن ابتدا میں لوگوں کی گفتگو بے ربط و بے معنی رہی محققین کی تحقیق کے مطابق



ابتدائی انسانوں کی قوت سماعت میں دو سے چار کیلو ہرٹز کی صوتی لہروں کو برداشت کرنے کی استطاعت ہوتی تھی، کیوں کہ آوازوں کو سننے اور سمجھنے میں بُعد اور فاصلے کی بڑی اہمیت ہے، محققین کا کہنا ہے کہ انسانوں کی طرح بندروں کی ایک قسم چمپیزی کے کان بھی بہت حساس ہوتے ہیں، انہوں نے سٹی اسکین کے ذریعہ پانچ لوگوں کے کانوں کے اندرونی وبیرونی حصوں کا جایزہ لے کر بتایا کہ آج کے انسانوں کی قوت سماعت پہلے کے انسانوں کی قوت سماعت کے مقابلہ میں بہت تیز ہوتی ہے۔

رسالہ ''نیچر'' میں شایع شدہ رپورٹ کے مطابق سائنس داں ''مخانیم[1] ڈائی آکسائڈ[2]'' کے باریک باریک ذروں سے ایسے کپڑے ایجاد کرنے کی کوشش کررہے ہیں جنھیں دھونے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی، دھلے بغیر ہی ان کی میل صاف ہوجائے گی، یہ چھوٹے چھوٹے گیس کے ترشے گردوغبار کو کپڑوں پر بیٹھنے ہی نہیں دیں گے، ان کی صفائی کے لیے صرف سورج کی روشنی ہی کافی ہوگی، رپورٹ کے مطابق یہ پہنے تو جائیں گے لیکن کبھی میلے یا گندے نہیں ہوں گے، کیوں کہ سورج کی روشنی اور کرنیں ہی ان کو صاف کردیں گی۔

رسالہ ''سائنس'' میں مطبوعہ رپورٹ کے مطابق سائنس دانوں کو کینیا کے علاقہ میں ہوموارکٹس یعنی حجری عہد کی ایک کھوپڑی دست یاب ہوئی ہے جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ دس لاکھ سال پرانی ہے، اسی زمانہ کے ہتھیار بھی اس علاقے میں ملے ہیں، ان کے خیال میں یہ کھوپڑی کسی بالغ شخص کی ہے اور ۹ یا ۹ لاکھ ۷۰ ہزار برس پرانی ہے۔

سائنس داں آدمی کے جسم میں بھی نیا گردہ رکھنے کی کوشش کررہے ہیں جس طرح انہوں نے چوہوں کے جسم میں اسے رکھنے کا کامیاب تجربہ کیا ہے، ان کی تحقیق کے مطابق جسم میں پہلے سے موجود عناصر سے تیار کیے گئے نئے گردوں کو بیماری سے متاثر گردوں کی جگہ رکھا جاسکتا ہے، واشنگٹن یونی ورسٹی کے اسکول آف میڈیسن سے وابستہ ماہرین نے چوہوں کے خراب گردوں کی جگہ ان کے جسم میں نئے پیدا ہونے والے نامیاتی عناصر رکھے تو ان کی بیماری ختم ہوگئی اور دوسرا گردہ لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

ک، ص اصلاحی

---

[1] مشانیم ایک سیاہی مائل بھورے رنگ کا فلزی عنصر [2] کیمیائی گیس جس میں دو حصہ آکسیجن اور ایک حصہ دھات ہوتی ہے۔

# معارف کی ڈاک

## چندر پرکاش جوہر

۲۷ر جون ۲۰۰۴ء

79، پٹیل محلہ، 4th نظام پورا
بھیونڈی، (تھانے)

محترمی و مکرمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جنوری ۲۰۰۴ء کے "معارف" میں ڈاکٹر سید اختیار جعفری صاحب نے اپنے مضمون "اردو میں تذکرہ نگاری کی روایت" میں جناب چندر پرکاش جوہر کو دیو بندی لکھا ہے (ص-۶۵)، جناب جوہر صاحب دیو بندی نہیں بلکہ بجنوری تھے، اکاؤنٹنٹ جنرل یوپی (الہ آباد) کے دفتر میں بہ حیثیت اپر ڈویژن اسسٹنٹ ملازم تھے، ان کا کلام "برہان[۱]" میں عام طور سے شایع ہوتا تھا، الہ آباد کے مشاعروں میں اساتذہ کے ساتھ ان کا نام پکارا جاتا تھا، خاکسار سے ان کی اچھی واقفیت تھی، یہ ۱۹۵۷ء کے آس پاس کی بات ہے۔

والسلام
(ڈاکٹر حکیم) محمود حسن

۱؎ معارف میں زیادہ چھپتا تھا، وہ اعظم گڈھ کے مشاعروں میں آتے تو دارالمصنفین ضرور تشریف لاتے اور گھنٹوں اپنا کلام سناتے۔ "ض"



# ادبیات

## "نتھولا پاس"

(مشرقی سکم کا ساڑھے چودہ ہزار فٹ بلندی پر ایک خوب صورت سرحدی درّہ
جہاں ہندوستانی اور چینی سپاہی ہر وقت آمنے سامنے نظر آتے ہیں)

از:- پروفیسر محمد ولی الحق انصاری☆

اے نتھولا حسن ہے تیرا مثالوں کی طرح
کب نظر آتی ہیں ڈھالیں ایسی ڈھالوں کی طرح

برف کے ہیں پربتوں کی رانیوں کے سر پہ تاج
جسم سے لپٹی ہے ان کے برف شالوں کی طرح

برف سے ہر شئے ڈھکی، ہر سمت چاندی کے پہاڑ
ہر طرف پھیلی سفیدی میرے بالوں کی طرح

آسمان کا رخ کیے ہیں دیو پیکر چوٹیاں
غم نصیبوں کے دلوں سے اٹھے نالوں کی طرح

لکۂ ہائے ابر ہیں ہر سو فضا میں تیز گام
کرتے رہتے ہیں کلیلیں یہ غزالوں کی طرح

ہوگی بارش یا کریں گے ژالہ باری کوہ پر
اٹھ رہے ہیں ہر طرف بادل سوالوں کی طرح

یہ بھی ممکن ہے اڑاکر ان کو لے جائے ہوا
برف، ممکن ہے، اڑے روئی کے گالوں کی طرح

برف کے تودے چمکتے ہیں فرازِ کوہ پر
پیسوں کی خاطر جلی دلہن کے چھالوں کی طرح

برف کے گھونگھٹ کے اندر سے یہ دل کش چوٹیاں
مسکراتی ہیں ہمیشہ خوش خصالوں کی طرح

ہوں وہ تبت میں کہ سکم میں، زبان حال سے
چوٹیاں کرتی ہیں باتیں ہم خیالوں کی طرح

چوٹیوں سے نیچے ڈھالوں پر اتر آئی ہے برف
صورت بُراق گھوڑوں کے ایالوں کی طرح

☆ دارالامان، ۲۷ر فرنگی محل، لکھنؤ۔

شام کو عکس شفق سے ہوتا ہے یہ برف زا — مہوشانِ سیم تن کے سرخ گالوں کی طرح
برف سے عاری برہنہ چوٹیاں بھی ہیں کہیں — بے شجر بے برگ و سبزہ خستہ حالوں کی طرح
برف کے انبار میں پتھر بھی آتے ہیں نظر — مہ جبینوں کے حسیں چہروں پہ خالوں کی طرح
مہر کی بیباک نظروں کو نہ سہہ پاتی ہے برف — رحم دل نازک طبیعت بھولے بھالوں کی طرح
پانی پانی شرم سے ہوتی ہے پیشِ آفتاب — با حیا شیریں ادا زہرہ جمالوں کی طرح
برف کے پرتو سے ہیں پرنور گہری وادیاں — روشنی ملتی نہیں ایسے اجالوں کی طرح
خاتمے پر ڈھال کے گھاٹی میں ہیں بکھرے مکاں — اختتام صفحہ پر زیریں حوالوں کی طرح
رہنے والے ان پہاڑوں کے بھی پیر و جواں — پیکر معصومیت ہیں خورد سالوں کی طرح
گو نئی تہذیب سے واقف نہیں یہ سادہ لوح — کب ریاکاری ہے ان میں شہر والوں کی طرح
دید کے قابل ہیں، جھیلیں بھی نشیب کوہ میں — گرد جن کے برف کے حلقے ہیں ہالوں کی طرح
صاف پانی ان کا دیتا رہتا ہے تازہ حیات — زہر کے ماروں کو امرت کے پیالوں کی طرح
ہے وہ سردی جس سے ٹھٹھرے جا رہے ہیں ہاتھ پاؤں — چبھتی ہے ٹھنڈی ہوا جسموں میں بھالوں کی طرح
برف میں رہ کر وطن کا کر رہے ہیں جو دفاع — جینے کی خواہش ہے تو جی ان جیالوں کی طرح
گو وتی دنیا میں ہے یہ قطعۂ باغ بہشت — قدر اس کی بھی نہیں تیرے کمالوں کی طرح

---





# مطبوعات جدیدہ

**ادراک زوال امت (جلد اول):** از جناب راشد شاز، تقطیع بڑی، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد مع خوب صورت گرد پوش، صفحات: ۵۳۴، قیمت: ۳۰۰/روپے، پتہ: ملی پبلی کیشنز، ملی ٹائمز بلڈنگ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی نمبر ۲۵۔

امت مسلمہ آج جس گرداب زوال و تنزل میں گرفتار ہے، مصنف کے خیال میں اس کے اسباب کی تلاش، سنجیدگی اور باریک بینی سے کم کی گئی اور تخصیص کے ساتھ اس خرابی کی نشان دہی نہیں کی جاسکی جو منصب کار نبوت سے ہماری معطلی کا سبب بنی تھی، یہ ضخیم کتاب اسی اجمال کی تفصیل ہے، شروع میں مسئلہ کی بازیافت اور تفہیم زوال کے تحت ایک طویل بحث اس نکتہ کے زیر اثر ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح امت مسلمہ بھی سیادت کے منصب سے اسی لیے محروم ہوئی کہ وہ یہود کے راستے پر چل نکلی، یہود کی تاریخ گویا ہماری تاریخ بن گئی، فکری انحراف کا دونوں کا سفر تقریباً مماثل خطوط پر ہی ہوا اور وحی کے گرد انسانی قیل وقال کا حصار جس طرح یہودیوں نے قائم کیا تھا، یہ امت بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکی، تورات اور خمسہ موسوی کی موجودگی میں دو توراتیں وجود میں آگئیں، ایک تو کتاب ہدایت تھی دوسری صرف خواہشات کا مجموعہ کتاب الامانی جو مشناۃ اور گمارا کی شکل میں تھی، جس کے نتیجے میں وحی الٰہی، انسانی فہم اور تاریخی بیان کے اس طرح تابع ہوئی کہ آج یہودی فکر میں تلمود کے بغیر خمسہ موسوی کا تصور نہیں کیا جاسکتا، بقیہ ابواب یعنی وحی ربانی، مثلہ معہ (حدیث) فقہ اور تصوف اسی مبتدا کی خبر ہیں، یہ مباحث بہت طویل اور اکتا دینے والے ہیں اور ان میں سارا زور اس پر صرف کیا گیا ہے کہ کس طرح قرآن مجید میں انحراف کے عمل سے متن کی صحت کے باوجود وحی ربانی کو تفسیر کی ضخیم مجلدات میں روایات اور تاویلات کا پابند بنا دیا گیا، بعض روایتوں نے الفاظ قرآنی کے منزل من اللہ ہونے میں شبہات وارد کردیے اور ایسی وضعی روایتوں کے لیے بھی گنجایش نکلی جو کثرت اور تواتر سے وحی قرآنی کو نامکمل، ناقص اور مشتبہ قرار دیتی ہیں اور یہ کہ مصحف صدیقی یا مصحف عثمانی کی فرضی داستانیں، صحاح ستہ کے حوالے سے اب تک نقل ہوکر ایک اساطیری ماحول بناتی رہیں، یہاں تک کہا گیا کہ قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب میں نص سے زیادہ اجتہاد کو دخل ہے، یہ سارا عمل، تورات کے شارحین کی یاد دلاتا ہے، قرآن کی ترتیب ہو یا سبعۃ احرف اور مسئلہ نسخ ہو، شان نزول کی تلاش ہو یا اسرائیلیات سے استفادہ یا تاریخی روایات سے استناد، سب میں

کارفرمائی، یہودی مآخذ کی ہے جن کے اثر نے اصل معانی کی دریافت مشکل کردی ہے، مصنف کے نزدیک یہی حال احادیث کے مجموعے کا ہے اوتیت القرآن و مثلہ معہ کی بحث میں کہا گیا کہ ہمارے فکری انحراف کی وجہ، وحی سے باہر وہ وحی (حدیث) ہے جس کا انحصار تاریخ پر ہے جس کا کوئی حتمی، متفقہ اور مستند ترین اڈیشن چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی امت کی دسترس میں نہیں آسکا، مصنف کے نزدیک سنت رسولؐ کے لیے اگر اسوہ کی قرآنی اصطلاح برقرار رہتی تو شاید قرآن جیسے لازوال ماخذ کی جگہ تاریخ و آثار کے دفتروں میں اسوہ رسولؐ کی تلاش نہ کی جاتی لیکن حدیث کے معنوں میں سنت کا استعمال اور پھر سنت متواترہ و مکشوفہ پر سنت قولی کی سبقت نے مختلف فقہی مکاتب کے قیام اور توسیع کی راہ ہموار کی اور وحی ربانی فقہی موشگافیوں کے حصار میں آگئی، دین کا فقہ میں بدل جانا بڑی حد تک غایت دین کی نفی سے عبارت ہے، دین بنام فقہ کے باب پنجم میں مصنف کا رویہ سب سے زیادہ سخت نظر آتا ہے، ان کے خیال میں قرآن ایک غیر فقہی ربانی معاشرے کا داعی ہے، یہ باب فقہ کے انکار میں حد درجہ شدید اور افراط رائے کا حامل ہے، ائمہ اربعہ و اصل بن عطاء کے اصول اربعہ اور تنسیخ وحی اور اس کے نتیجے میں امۃ واحدہ سے فرقوا دینھم و کانوا شیعا تک کے سفر کی روداد مصنف کے بیان میں واقعی بڑی تکلیف دہ ہے، شرع اور غایت شرع کے تحت اس بحث کے آخر میں کہا گیا کہ قرآن مجید کے اصول و قوانین و حدود کا بیان و حکم فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ ان کا اصل ہدف تو ربانی معاشرے کا قیام ہے اور یہ اسی قیام کی راہ میں عبوری اور مہمیزی حیثیت رکھتے ہیں، مثلاً صدقات کے احکام کا ہدف یہ ہے کہ محتاجوں اور غریبوں کا وجود ہی نہ رہے لیکن حکم کو ہدف ماننے میں لازم آئے گا کہ حکم کی تعمیل و تکمیل کے لیے یہ طبقہ غربا بھی ہمیشہ قایم رہے لیکن اس خیال کی خارجی شہادت بہر حال پیش نہیں کی گئی محض داخلی احساس سے رائے میں قطعیت کا بھی جواز نہیں ہے، آخری اہم باب تصوف پر ہے جس کا آغاز ہی مصنف کے رویہ کو عیاں کرتا ہے کہ حضورؐ صوفی تھے نہ آپؐ نے متصوفین کا کوئی گروہ تشکیل دینے کی کوشش کی، یہ دین میں اجنبی پودے کے مانند ہے جو غلو فی الدین کے راستے داخل ہوا، اس پورے باب میں وحی ربانی کی تنسیخ اور اس کے معانی میں تحریف کے لیے پر اسرار باطنی معانی، حروف کے اسرار و رموز اور اعمال قرآنی اور شریعت قرآنی کے علاوہ چند قرآنی اصطلاحات جیسے اولوالامر، روح وغیرہ کی متصوفانہ تعبیر اور کشف اور ولی جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے اور خلاصہ یہی ہے کہ وحی ربانی پر صرف تاریخ (احادیث) کے حجابات بلکہ روحانیوں کے الہامات و اکتشافات کی حیثیت کو بے نقاب کرنے سے ہی مسلم فکر کو نجات دلائی جاسکتی ہے لیکن اس کا طریقہ عمل کیا



ہوگا یہ دوسری جلد کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے، جس کا انتظار ہم کو بھی ہے، اس کتاب کا نقطۂ نظر صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں رطب کے ساتھ بہت کچھ یابس بھی شامل ہوگیا ہے، اکثر مقامات پر طوالت اور الجھاؤ بھی ہے، اس کی وجہ سے اصل مدعا خبط ہوگیا ہے، دین میں ہر چیز کے درجے اور طبقے ہیں، حدیث و فقہ کا بھی اپنا ایک مقام ہے ان سے بالکل صرف نظر کیسے کیا جاسکتا ہے تاہم مصنف نے مطالعہ میں وسعت کے ساتھ نظر کی دقت سے بھی پورا کام لیا ہے، ان کے نتایج افکار سے جابجا اختلاف کی گنجایش ہونے کے باوجود، ان کے دلایل کی قوت کا انکار آسان نہیں، ایک حساس مسئلہ پر اس فکر انگیز کتاب کے مطالعے میں فایدہ کا پہلو نقصان پر غالب ہے۔

**تنقید معجزات کا علمی محاسبہ:** از جناب مولانا محمد احمد مصباحی، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت مناسب، صفحات: ۱۷۶، قیمت: درج نہیں، پتہ: مکتبہ انوار المصطفی، مغل پورہ، حیدرآباد۔

اس کتاب میں سیرۃ النبیؐ جلد سوم کے ایک باب "معجزات نبویؐ کے متعلق غیر مستند روایات" پر خاص طور سے بحث کے بعد چند اعتراضات کیے گئے ہیں، مثلاً یہ کہ فضایل و مواعظ میں حدیث ضعیف پر عمل کے جواز بلکہ استحباب کے ثبوت کے بعد بھی مولف سیرۃ النبیؐ نے فضایل کے لیے صحت کی شرط لگادی ہے، اس سے پہلے بھی معجزات کے سلسلے میں تنقیدیں آتی رہیں، مولانا بدر عالم میرٹھی نے برسوں پہلے جو اعتراضات کیے تھے اس کتاب میں قریباً ان کی ہی بازگشت ہے، البتہ وہاں لہجہ تلخ تھا تو یہاں تلخ تر دونوں معترضوں میں گرچہ بعد المشرقین ہے لیکن انداز فکر و اسلوب میں قربت کا یہ انداز واقعی دل چسپ ہے، مولانا بدر عالم کے اعتراضات کا مکمل اور شافی جواب عرصہ ہوا مدیر معارف مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے قلم سے معارف میں شایع ہوا تھا، کئی قسطوں پر مشتمل یہ مضمون زیر نظر کتاب کے شبہات و اعتراضات کے رفع و تردید کے لیے بھی کافی ہے، واقعہ یہی ہے کہ سیرۃ النبیؐ کے مولفین کے پیش نظر ایسی سیرت تھی جس کا ماخذ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ ہوں، اس کا مقصد دوسرے مراجع کا انکار نہیں قرار دیا جاسکتا، یہ محض ایک مستند ترین تالیف میں صحت و استناد کے اعلا معیار کی پاسداری کا عمل ہے، لیکن اس اسلوب اور منہج کو فضایل دشمنی بلکہ رسول دشمنی، جہل مرکب، دیدہ دلیری اور کذب و دروغ گوئی سے تعبیر کرنے کو جذبے کی فراوانی اور ماحول اور نسبتوں کی مجبوری ہی کہا جاسکتا ہے تاہم اعتراضات سے مقصود اگر کشف حقایق ہے تو مولانا اصلاحی کے مضمون کا مطالعہ اس میں معاون و مفید ثابت ہوگا، ضرورت ہے کہ پانچ قسطوں پر مشتمل اس مضمون کو علاحدہ کتابی شکل میں شایع کردیا جائے تاکہ اس قسم کے اعتراضات کا ازالہ ہوسکے۔ ع-ص

## دار المصنفین کا سلسلہ تاریخ ہند

| کتاب | مصنف | Pages | Rs |
|---|---|---|---|
| ۱۔ مقدمہ رقعات عالم گیر | سید نجیب اشرف ندوی | 492 | 80/- |
| ۲۔ بزم تیموریہ اول | سید صباح الدین عبدالرحمن | 605 | 150/- |
| ۳۔ بزم تیموریہ دوم | سید صباح الدین عبدالرحمن | 266 | 50/- |
| ۴۔ بزم تیموریہ سوم | سید صباح الدین عبدالرحمن | 276 | 56/- |
| ۵۔ بزم صوفیہ | سید صباح الدین عبدالرحمن | 746 | 140/- |
| ۶۔ ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک ایک جھلک | " | 524 | 80/- |
| ۷۔ مختصر تاریخ ہند | سید ابو ظفر ندوی | 194 | 50/- |
| ۸۔ ہندوستان کی کہانی | عبد السلام قدوائی ندوی | 70 | 20/- |
| ۹۔ تاریخ سندھ | سید ابو ظفر ندوی | 420 | 56/- |
| ۱۰۔ ہندوستان عربوں کی نظر میں اول | ضیاء الدین اصلاحی | 410 | 75/- |
| ۱۱۔ ہندوستان عربوں کی نظر میں دوم (جدید ایڈیشن) | " | 358 | 125/- |
| ۱۲۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے | سید صباح الدین عبدالرحمن | 648 | 80/- |
| ۱۳۔ بزم مملوکیہ | سید صباح الدین عبدالرحمن | 370 | 70/- |
| ۱۴۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے | ادارہ | 354 | 50/- |
| ۱۵۔ ہندوستان کے سلاطین علماء و مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر | مرتبہ: سید صباح الدین عبدالرحمن | 238 | 75/- |
| ۱۶۔ کشمیر سلاطین کے عہد میں | ترجمہ: علی حماد عباسی | 468 | 56/- |
| ۱۷۔ ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں | سید صباح الدین عبدالرحمن | 134 | 30/- |
| ۱۸۔ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں اول | سید صباح الدین عبدالرحمن | 252 | 50/- |
| ۱۹۔ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں دوم | سید صباح الدین عبدالرحمن | 180 | 30/- |
| ۲۰۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں | ابو الحسنات ندوی | 132 | 25/- |
| ۲۱۔ عرب و ہند کے تعلقات | سید سلیمان ندوی | 442 | 95/- |